WWW.PAKSOCIETY.COM
کیمیاگری
پاؤلو کوئیلہو
ترجمہ
عمر الغزالی
وہ اپنی منزل کی تلاش میں اندلس سے روانہ ہوا لیکن افریقہ کے ساحل پر اپنی جمع پونجی سے محروم ہو گیا۔ پھر
اس کی ملاقات ایک کیمیاگر سے ہوئی جس نے اس کی رہنمائی دنیا کے سب سے قیمتی خزانے تک کی۔ دنیا
کی چالیس زبانوں میں ۳ کروڑ سے زیادہ تعداد میں فروخت ہونے والی کتاب ''الکیمسٹ'' کا ترجمہ

## جملہ حقوق محفوظ ہیں


| | | |
|---|---|---|
| نام کتاب | ........... | کیمیاگری |
| تحقیق و ترتیب | ........... | عمر الغزالی |
| ناشر | ........... | سینٹر فار ہیومن ایکسی لینس |
| مطبع | ........... | تابا پرنٹنگ پریس |
| سرورق | ........... | راحیل جبار |
| پروف ریڈنگ | ........... | محمد اکرم شاہد |
| سن اشاعت | ........... | دسمبر 2009ء |
| قانونی مشیر | ........... | راؤ محمد اسلم ایڈووکیٹ |
| قیمت | ........... | |


## انتساب

اپنی اس کوشش کو تین ایسی شخصیات سے منسوب کروں گا جن کا میری زندگی میں بہت اہم مقام ہے:

**والد محترم "حاجی غلام حسین"**

جن سے میں نے بامقصد زندگی کا شعور حاصل کیا۔

**"لیفٹیننٹ جنرل زاہد حسین خان"**

جن کی مدد سے میں نے اپنی خوابیدہ صلاحیتوں کو پہچانا۔

**"منیر لدھا"**

جن کی مدد سے میں نے خوابوں کی تعبیر ڈھونڈنے کی ہمت پائی۔

# کیمیا گری

اس کتاب کے عنوان سے لگتا ہے جیسے یہ کوئی مہماتی قسم کا ناول ہوگا۔ لطف کی بات یہ ہے کہ اس میں یہ دونوں خوبیاں ہیں مگر اس کے باوجود یہ اپنی طرز کی ایک بہت مختلف شاندار اور غیر معمولی کتاب ہے۔ یہ دنیا کی چالیس سے زائد زبانوں میں ترجمہ ہو کر کروڑوں کی تعداد میں فروخت ہو چکی ہے۔ جن میں اس کے اردو ترجمہ کی چند کاپیاں بھی شامل کر لیں:

یہی کچھ ہے ساقی متاع فقیر

تفنن برطرف یہ انسانی فکر، خواہش، طمع، جوش، ہمت اور نیرنگیِ زمانہ کی ایک عجیب و غریب اور انتہائی دلچسپ داستان ہے اور زیرِ نظر ترجمہ میں بیان کو آسان اور موثر بنانے کی کامیاب کوشش کی گئی ہے۔ جو یقیناً قارئین کو اپنی طرف متوجہ کرے گی۔

اس ترجمے کا مقصد معاشی فائدے کا حصول یا اپنی ادبی صلاحیتوں کا مظاہرہ کرنا مقصود نہیں ہے بلکہ نئی نسل کو وہ اہم پیغام دینا ہے جو زندگی کی حقیقت سے انہیں روشناس کرواتا ہے اور مقصد کی اہمیت، اس کے حصول کی لگن اور اس کے لیے قربانی دینے کی ہمت پیدا کرتا ہے۔

برادرم عمر الغزالی دردمند دل رکھتے ہیں اور معاشرے کی اصلاح اور ترقی کے لیے ہر وقت نئے نئے طریقے سوچنے اور ان کو عملی شکل دینے میں کوشاں رہتے ہیں مجھے یقین ہے کہ ان کی یہ کوشش رائیگاں نہیں نہیں جائے گی اور اس کے مطالعے سے نگہ بلند، سخن دلنواز، جاں پرسوز کا ایک ایسا منظر کھلے گا جس سے ہماری نئی نسل کے قارئین بالخصوص استفادہ کریں گے۔

امجد اسلام امجد

لاہور

# خواب بُننے کی خواہش

شمار کرنے پہ آؤں تو شائد چند نام ایسے ملیں کہ جنہوں نے خون جگر میں انگلیاں ڈبو کر صرف اور صرف اپنی نسل یا آئندہ آنے والی نسل کے نوجوانوں کے لیے تحریریں رقم کی ہوں۔ اردو کا دامن اس گوہر سے بہت ہی تہی ہے اور اس کے دشت کی پیاس بہت زیادہ ہے۔ آپ اس تحریر کی جانداری دیکھئے کہ آپ ایک کہانی کے سحر میں بھی رہتے ہیں اور گذرے وقت کے زخم کی داستان بھی سنتے جاتے ہیں۔ یہی تو وہ سحر ہے، وہ جادو ہے جو میری آنے والی نسل کو زندہ رکھے گا، ماضی سے پیوستہ رکھے گا اور مستقبل کے خواب بُننے کی خواہش پیدا کرے گا۔

بلاشبہ پاؤلو کوئیلو کا طرز بیان اور تحریر کی جامعیت اور کہانی کا پلاٹ اپنی جگہ مگر برادرم عمر الغزالی نے کتاب کا تعارف اور پھر آخر میں اہم نقاط کو ذہن نشین کرانے کے لیے جو سوال نامہ مرتب کیا ہے وہ اس کتاب کی اہمیت کو بڑھا رہا ہے۔

ملیحہ مقبول جان

لاہور

# حرفِ آغاز

"Evey few decades a book is Published which
changes lices of its readers for even the
Alchemist is such a book"

دی ایکسپریس کا یہ تبصرہ برازیلوی مصنف پاؤلو کوئیلو کی کتاب کے بارے میں ہے جس کی اب تک دنیا کی 40 سے زیادہ زبانوں میں چار کروڑ سے زائد کاپیاں فروخت ہو چکی ہیں۔

کتاب کی اس بے مثال مقبولیت کی وجہ اس کا موضوع اور مصنف کا انداز تحریر ہے۔ کتاب کا موضوع ہر انسان کی زندگی میں بنیادی اہمیت کا حامل ہے۔ مصنف نے اس موضوع کو انتہائی سادہ اور دلچسپ انداز میں بیان کیا ہے کہ قاری پر اس کا سحر طاری ہو جاتا ہے اور کتاب کے اختتام پر وہ اپنے آپ کو ایک الگ دنیا میں پاتا ہے۔

اس کتاب کو ترجمہ کرنے کی بنیادی وجہ اس کی مقبولیت اور اس میں پیش کیے جانے والے موضوع کی اہمیت نہیں ہے بلکہ اس کی بنیادی وجہ یہ ہے کہ:

☆ مصنف نے انسانی زندگی کے چند بہت ہی اہم امور سے متعلق پائی جانے والی کم علمی بلکہ غلط فہمی کا ازالہ کرنے کی کوشش کی ہے۔ وہ اس کوشش میں کس حد تک کامیاب رہا ہے، اس کا اندازہ کتاب کی مقبولیت سے لگایا جا سکتا ہے۔

☆ ان امور سے متعلق مصنف کا نقطہ نظر کم و بیش وہی ہے جو اسلام کا ہے دراصل یہ بہت حد تک اسلام کے فلسفہ حیات سے ہی اخذ شدہ ہے۔

ہم بالعموم اپنے بارے میں احساس کمتری کا شکار ہیں۔ مغرب کی صنعتی ترقی کی چکاچوند ہماری نظر اپنے اسلاف کے کارناموں تک بھی نہیں جانے دیتی۔ ہمارے ہاں تیار ہونے والی اشیا جب بین الاقوامی لیبل کے ساتھ واپس ہمارے ہاں فروخت ہوتی ہیں تو ہمارے اعتماد پر پوری اترتی ہیں۔ اسی طرح ہمارے اپنے نظریات جب مغربی لبادہ اوڑھ کر ہمارے پاس آتے ہیں تو ہمارے لیے معتبر اور قابل عمل بن جاتے ہیں۔

اس کتاب کو پڑھ کر اس بات کا بخوبی اندازہ کیا جا سکتا ہے کہ:

☆ مغرب کی کامیابی کے پیچھے وہ نظریات اور اصول ہیں جو حضرت محمد ﷺ آج سے چودہ سو سال قبل لائے تھے۔

☆ کیا اس دنیا میں کامیاب زندگی کیلئے اس نظریہ حیات پر صرف ایمان لانا ہی کافی ہے یا ایمان کے بعد عمل بنیادی شرط ہے۔

☆ اسلام کے فلسفہ حیات پر ایمان لائے بغیر اس کے اصولوں پر عمل تو اس دنیا میں کامیابی کی ضمانت ہے۔اس کی مثال ہمیں مغرب سے مل سکتی ہے۔جبکہ ان لازوال اصولوں پر محض ایمان جو کہ عمل سے خالی ہو، ایمان لانے والے کو اس دنیا میں کامیابی کی ضمانت نہیں دیتا۔اس کی گواہی ہماری بے سکون معاشرتی زندگی دیتی ہے۔

اس کاوش کا مقصد یہ ہے کہ ہم زندگی کی حقیقت کو جانیں اور ایک با مقصد زندگی گزارنے اور اس مقصد کے حصول کے لیے درکار محنت کی ضرورت اور اہمیت کو سمجھیں۔

کتاب سے مستفید ہونے کے لیے ضروری ہے کہ آپ اس کتاب کو محض ایک کہانی سمجھ کر نہ پڑھیں۔مطالعے کا آغاز کتاب کے تعارف سے کریں۔اس میں اٹھائے جانے والے نقاط کو لیکر کتاب کا مطالعہ کریں۔اور ان کا جواب تلاش کریں۔

کتاب کے آخر میں ایک سوالنامہ منسلک کیا گیا ہے تاکہ وہ اہم نقاط جو مصنف نے اٹھائے ہیں اور جو اس کتاب کی عالمگیر شہرت بنے، ہر قاری ان کا زیادہ سے زیادہ ادراک حاصل کر سکے۔

اللہ تعالیٰ ہمیں اپنا آنے والا کل ہمارے آج سے بہتر بنانے کا شعور اور ہمت عطا فرمائے۔(آمین)

عبد الغزالی





# تعارف

پاؤلو نے ہر انسان کی زندگی میں پیش آنے والے درج ذیل پانچ انتہائی اہم امور کو بہت ہی دلچسپ کہانی کے انداز میں پیش کیا ہے:

۱- مقصد کا تعین اور اس کے حصول کی جدوجہد انسان کو جانوروں سے ممتاز کرتی ہے۔

۲- انسان مقصد کا احساس ہونے کے باوجود اس کے حصول کی جرأت نہیں کر پاتا کیونکہ:-

☆ وہ ناکامی سے خوفزدہ ہوتا ہے۔

☆ مقصد کی صداقت پر اس کا اعتقاد متزلزل ہوتا ہے۔

☆ مقصد کے حصول کے لیے درکار محنت سے گھبراتا ہے۔

☆ وہ رسک لینے سے ڈرتا ہے۔

۳- اپنی موجودہ حالت کو قسمت کا لکھا سمجھ کر اپنے دل کو مطمئن کرنے کی کوشش کرتا ہے۔

۴- انسان کو یا تو ماضی کی کوتاہیاں پریشان کرتی ہیں یا پھر مستقبل کی فکر ستاتی ہے۔اس فکر اور پریشانی میں وہ اپنے حال سے غافل رہتا ہے۔

۵- انسان کو اپنی صلاحیتوں پر اعتماد نہیں ہوتا۔

مغربی معاشرے میں ایک فرد کی انفرادی اور ازدواجی زندگی جتنی بھی انتشار کا شکار ہو، (ہمارے مطابق) ان کی معاشرتی زندگی کی کامیابی ہمیں بہت کچھ سوچنے کی دعوت دیتی ہے۔ان کی کامیاب معاشرتی اور سماجی زندگی کی بنیاد بھی اسلام کے لازوال اصولوں پر عمل ہے۔ہمارے لیے لمحہ فکریہ ہے کہ اہل مغرب اس پیغام پر ایمان تو نہیں لائے مگر اس پر صدق دل سے عمل کر کے ایک پر سکون زندگی گزار رہے ہیں۔

جب کہ ہم لوگ اللہ کی وحدانیت اور اس کے دیے ہوئے فلسفہ حیات پر ایمان رکھتے ہیں مگر ہماری سماجی زندگی میں پائی جانے والی ابتری، نفسانفسی، رشوت، اقربا پروری، سفارش اور اچھے معاشرتی فرائض سے غفلت ہمیں دعوت فکر دیتی ہے کہ آیا اس دنیا میں کامیاب زندگی گزارنے کے لیے صرف اسلام کے رہنما اصولوں پر ایمان لانا ہی کافی ہے یا اس پر عمل بھی ضروری ہے۔

ہمارے تمام مسائل کی اصل وجہ وہ نظام تعلیم ہے جو ایک سازش کے تحت برطانوی دور میں ترتیب دیا گیا تھا۔ مقصد تھا کہ نوجوان نسل سے اس کی پہچان، سوچنے سمجھنے کی صلاحیت اور اپنی عقل کو استعمال کرنے کی اہلیت چھین لی جائے تاکہ وہ وفادار غلاموں کی طرح نہ صرف برطانوی اقتدار کو قبول کرلیں بلکہ اس کے لیے کل پرزوں کا کام بھی کریں۔ یہ اسی نظام تعلیم کا ہی کرشمہ تھا کہ صرف چند سو انگریز دو سو سال تک کروڑوں لوگوں پر حکومت کرتے رہے۔

یہ تعلیم حاصل کرنے کے بعد ہماری نسلیں بے مقصدیت کا بدترین نمونہ پیش کرتی ہیں۔ اس نظام تعلیم سے تربیت پا کر تیار ہونے والی نسل کی تصویر کشی اکبر الٰہ آبادی ان الفاظ میں کرتے ہیں:

لو پچر کو چھوڑ اپنی ہسٹری کو بھول جا
شیخ و مکتب سے ناطہ ترک کر سکول جا
چار دن کی زندگی ہے کوفت سے کیا فائدہ
کھا ڈبل روٹی کلرکی کر خوشی سے پھول جا

نہ ہمیں منزل کا پتہ ہے اور نہ راستے کا علم۔ ہم یہ بھی بھول گئے کہ آج یورپ ترقی کے جس عروج پر ہمیں نظر آتا ہے اس کی سیڑھی ہمارے آبا و اجداد نے ہی تعمیر کی تھی۔ اقبال ہماری نسل کو خواب غفلت سے جگاتے ہوئے کہتے ہیں:

کبھی اے نوجواں مسلم! تدبر بھی کیا تو نے
وہ کیا گردوں تھا تو جس کا ہے اک ٹوٹا ہوا تارا

انتہائی افسوس کا مقام ہے کہ ہم خواب خرگوش سے نکل کر اپنی اس گم شدہ میراث کو دوبارہ پانے کی جدوجہد کرنے کی بجائے بے عملی کا شکار ہیں۔ ہم اپنی شاندار تاریخ پر فخر تو کرتے ہیں مگر اس کو دوبارہ حاصل کرنے کی جدوجہد کرنے کی ہمت نہیں رکھتے اقبال کہتے ہیں:

تجھے آبا سے اپنے کوئی نسبت ہو نہیں سکتی
کہ تو گفتار وہ کردار، تو ثابت وہ سیارا

..................

تھے تو آبا وہ تمہارے ہی، مگر تم کیا ہو
ہاتھ پر ہاتھ دھرے منتظر فردا ہو!

ہم اپنے بارے میں شدید احساس کمتری کا شکار ہیں۔ ہمارے ہاں تیار ہونے والے گارمنٹس اور سپورٹس کا سامان Nike اور Addidas کے لیبل کے ساتھ ہماری دکانوں میں واپس آتے ہیں تو یہ ہمارے لیے کوالٹی کی ضمانت ہوتے ہیں۔ اور کئی گنا مہنگے بکتے ہیں۔ بالکل اسی طرح مغرب سے نکلنے والا ہر نظریہ، چاہے اس کی اساس ان ابدی پیغام پر ہی کیوں نہ ہو جو رسول نبی کریم ﷺ آج سے چودہ سو سال قبل لائے تھے ہمارے لیے زیادہ قابل قبول ہو جاتا ہے۔ اگر ہم اب بھی ان





باتوں پر عمل پیرا ہوں تو اس میں کوئی برائی نہیں ہے۔ حضور پاک ﷺ کا فرمان ہے کہ حکمت مومن کی گم شدہ میراث ہے وہ اسے جہاں سے ملتی ہے وہ اسے حاصل کر لیتا ہے۔

مصنف اس کتاب میں ہر انسان کی زندگی میں پیش آنے والے پانچ اہم امور کو بہت خوبصورتی کے ساتھ واضح کرتا ہے۔

## مقصدیت

جن لوگوں کی زندگی کا کوئی مقصد نہیں ہوتا ان کی مثال بھیڑوں کی سی ہے جن کی زندگی کا مطمع نظر صرف اور صرف چارے اور پانی کا حصول ہوتا ہے۔

دن اور رات کا آنا جانا، موسموں کا بدلنا یا بھری چراگاہ میں آمد غرض کسی بات سے انہیں کوئی سروکار نہیں ہوتا ہے۔ حتیٰ کہ اگر چرواہا انہیں ایک ایک کر کے ذبح بھی کرنا شروع کر دے تو انہیں معلوم تک نہیں ہوگا۔

جب کہ ان انسانوں کی مثال، جن کی زندگی کا کوئی مقصد ہوتا ہے، ایک چرواہے کی سی ہے۔ جو بھیڑوں کے ریوڑ کو موسموں کی شدت اور بھیڑیوں کے خطرے سے محفوظ رکھتا ہے اور ان کی رہنمائی ہری بھری چراگاہوں کی طرف کرتا ہے۔

مقصد ہی انسان کو جانوروں سے ممتاز کرتا ہے۔ مقصد کے حصول کی لگن انسان کو آگے بڑھنے کا حوصلہ اور مشکلات کو جھیلنے کی جرأت دیتی ہے۔ یہ مقصد کے حصول کی لگن ہی ہے جو انسان کو اس قابل بناتی ہے کہ وہ ہر ناممکن کام کو ممکن بنا سکتا ہے۔

یہ واضح مقصد ہی تھا کہ انسان نے چاند کو مسخر کیا اور اب اس کے قدموں کی گونج مریخ پر سنائی دے رہی ہے۔ چاند کو تسخیر کرنے والے لوگ بھی ہماری طرح گوشت پوست کے انسان ہی تھے۔ ان میں اگر کوئی خاصیت تھی تو صرف یہ کہ انہیں اپنے مقصد کا علم تھا اور ان میں اس کے حصول کی لگن تھی۔ مقصد جتنا واضح ہوگا اس کا حصول اتنا ہی آسان۔

## مقصد کے حصول کی لگن اور ہمت

مقصد کے تعین کے بعد، کامیابی کی دوسری شرط مقصد کے حصول کی تڑپ اور لگن ہے۔ یہ لگن اتنی شدید ہو کہ انسان اس کے حصول کی تگ و دو درمیان میں ترک نہ کر دے۔ اکثر لوگوں کی زندگی کا مقصد تو ہوتا ہے لیکن وہ اس کے حصول کے لیے مسلسل تذبذب کا شکار رہتے ہیں کیونکہ وہ:

- ☆ ناکامی سے خوفزدہ ہوتے ہیں۔
- ☆ مقصد کے حصول کے لیے درکار محنت سے جی چراتے ہیں۔
- ☆ مقصد کی صداقت پر غیر متزلزل یقین کا فقدان ہوتا ہے۔

☆ ناکامی کا خوف اور اپنی صلاحیتوں پر اعتماد کی کمی انسان کو مقصد کے حصول کی کوشش سے دور رکھتی ہے۔

کامیابی صرف یہی نہیں ہے کہ آپ منزل پر پہنچ جائیں اگر منزل سے کچھ پیچھے بھی رہ جائیں اور آپ اگر بغور جائزہ لیں تو آپ اس سفر کے دوران کئی اور منازل حاصل کر چکے ہوتے ہیں جو بجائے خود کامیابی کا درجہ رکھتی ہیں۔ ہر انسان یہ صلاحیت رکھتا ہے کہ ہر اس چیز کو حاصل کرلے جس کا وہ ارادہ کرلے۔

دسمبر 1956ء میں روس کے ہنگری پر قبضے کے بعد اینڈریو فرار ہو کر آسٹریا آ گیا اور وہاں سے نیویارک۔ اس کا باپ گوالا اور ماں کلرک تھی۔ غربت کی وجہ سے وہ تعلیم حاصل کرنے سے محروم رہا تھا۔ اور مزدوری کر کے گذر اوقات چلاتا تھا۔ اجنبی شہر میں بے چارگی اور بے بسی کی حالت میں چار دن بغیر کچھ کھائے پیے گذر گئے۔ اور ایک پل کے نیچے اس کا ٹھکانہ تھا۔ اسی فاقہ مستی میں سات ماہ گذر گئے۔ 1957ء کے وسط میں اسے ایک بس کنڈکٹر کی نوکری مل گئی۔

جب جیب میں کچھ پیسے اور پیٹ میں روٹی آئی تو ذہن نے بھی کام شروع کیا۔ اس نے سوچا "کیا میں نے زندگی بھر مسافروں کی گالیاں سننی ہیں؟"

دل نے گواہی دی کہ زندگی محض روٹی اور پانی کی فکر سے کہیں بڑھ کر ہے۔ اس نے سوچا کہ کیا کیا جائے۔ جواب آیا کہ ترقی اور کامیابی کے راستے علم سے نکلتے ہیں۔ پھر سوچا کہ تعلیم کے لیے تو کافی رقم درکار تھی جبکہ وہ مشکل سے پیٹ کا ایندھن پورا کر پاتا تھا۔ اس نے ارادہ کیا کہ وہ دن میں ایک بار کھانا کھائے گا اور ریل یا بس کی بجائے پیدل سفر کرے گا۔ چھ ماہ میں اس نے اتنے پیسے جمع کر لیے کہ سٹی کالج نیویارک میں داخلہ لے سکے۔

اینڈریو گروو کی انگریزی بہت ہی واجبی اور سائنس کا علم نہ ہونے کے برابر تھا لیکن وہ پھر بھی پڑھائی میں "ماڈرن سائنسز" رکھنے پر مصر تھا۔ جب اس کا اصرار ضد میں بدلنے لگا تو پرنسپل ساتھیوں کی طرف مڑ کر بولا:

"اگر کوئی چار فٹ کا بونا دس فٹ اونچی چھلانگ لگانا چاہے تو ہم اسے روکنے والے کون ہوتے ہیں۔"

پرنسپل کا یہ فقرہ اس کے دماغ میں اٹک کر رہ گیا اور آنے والے دنوں میں اس کے لیے مہمیز کا کام دیتا رہا۔

1964ء کی ایک رات جب اس نے اپنی گرل فرینڈ ایوا سے اپنے مقصد کا تذکرہ کیا کہ وہ دنیا کا سب سے بڑا انسان بننا چاہتا ہے تو اس گارد یا اینڈریو کے لیے خلاف توقع تھا:

"اینڈریو ماؤنٹ ایورسٹ یقیناً بہت اونچی ہے لیکن انسان کے حوصلوں کے سامنے بہت چھوٹی ہے۔ اس کو سر کرنے والے بھی انسان ہی تھے ڈیڑھ سو پونڈ وزنی، دو آنکھوں، دو ہاتھ اور ایک پاؤں دماغ والے انسان۔ آخر تم ان میں سے ایک کیوں نہیں ہو سکتے۔" ایوا نے جواب دیا۔

"ہاں ایوا صرف عقل اور محنت لوگوں کو بڑا بناتی ہے اور میرے پاس دونوں ہیں۔"

1967ء میں اس کی زندگی نے ایک اور کروٹ لی۔ اس نے گارڈن مور اور رابرٹ نائس کے ساتھ مل کر "انٹل" (Intel) کی بنیاد رکھی۔ اس کے چھوٹے سے دفتر کو دیکھ کر کوئی شخص یہ نہیں کہ سکتا تھا کہ صرف آٹھ برس بعد انٹل





(Intel) امریکہ میں بزنس کے ریکارڈ توڑ دے گی لیکن اینڈریو کو اس کا یقین تھا اور یہی یقین اس کا اصل سرمایہ تھا۔

اینڈریو گروو کا نام آج دنیا کی ساتویں بڑی فرم کے ساتھ آتا ہے۔ اس کمپنی کے اثاثے 50 بلین ڈالر سے زیادہ ہیں (پاکستان کے کل بیرونی قرضے 32 بلین ڈالر ہیں) اور یہ ہر سال 5.1 بلین ڈالر سے زیادہ کا منافع کماتی ہے۔ اینڈریو کے ذاتی اثاثے 300 ملین ڈالر ہیں۔

1997ء میں اینڈریو کو "مین آف دی ایئر" قرار دیا گیا۔ ٹائم میگزین کی ٹیم نے انٹرویو کے دوران اس سے سوال کیا "کیا آپ دنیا کے بے روزگار لوگوں کو کوئی پیغام دینا چاہیں گے؟" اس نے ایک لمحے کے لیے آنکھیں بند کیں لمبا سانس لیا اور پھر صحافیوں سے مخاطب ہوا:

"میرے خیال میں دنیا میں کوئی بیروزگار نہیں۔ قدرت نے جسے عقل سے نوازا ہو، دو ہاتھ دیے ہوں آخر وہ بے روزگار کیسے ہو سکتا ہے؟"

"لیکن دنیا میں تو اس وقت بے روزگار لوگوں کی تعداد کروڑوں میں ہے۔" صحافی نے سوال کیا۔

"آپ غالباً پست حوصلہ اور ہڈ حرام لوگوں کو بے روزگار کہہ رہے ہیں۔" اینڈریو نے جواب دیا۔

قرآن اس بات کو ان الفاظ میں بیان کرتا ہے:

﴿لَيْسَ لِلْإِنسَانِ إِلَّا مَا سَعَىٰ﴾ (سورۃ النجم: آیت ۳۹)

انسان کے لیے کچھ نہیں سوائے اس کے جس کی اس نے کوشش کی۔ یا شاعر مشرق کے الفاظ میں:

عمل سے زندگی بنتی ہے جنت بھی، جہنم بھی
یہ خاکی اپنی فطرت میں نہ نوری ہے نہ ناری ہے

کچھ لوگوں کا خیال ہے کہ ہم کوشش تو کرتے ہیں مگر نتائج الٹ نکلتے ہیں۔

کامیابی آپ کا امتحان لیتی ہے جو اس امتحان پر پورا اترتا ہے وہ کامیابی سے سرفراز ہوتا ہے ایک چینی کہاوت ہے کہ:

"رات کے تاریک ترین لمحات صبح سے تھوڑی دیر قبل آتے ہیں۔"

ضرورت اس بات کی ہے کہ ہم اللہ پر یقین رکھیں کہ وہ ہمارے ساتھ ہیں۔

﴿حَسْبُنَا اللَّهُ وَنِعْمَ الْوَكِيلُ﴾ (سورۃ آل عمران: آیت ۱۷۳)

"اللہ ہمارے لیے کافی ہے اور وہی بہترین رزق دینے والا ہے۔"

﴿وَإِذَا سَأَلَكَ عِبَادِي عَنِّي فَإِنِّي قَرِيبٌ﴾ (سورۃ البقرہ: آیت ۱۸۶)

"میرے بندے تم سے میرے متعلق سوال کریں تو انہیں بتا دو کہ میں ان سے بہت قریب ہوں جب خدا ہمارے اتنا قریب اور ہمارے لیے کافی ہے تو پھر گھبرانا کیسا۔"
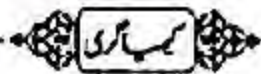
اور پھر ناکامی کی وجوہات ڈھونڈنے کا انسان کی صلاحیتوں پر منفی اثر ہوتا ہے۔ ماہرین نفسیات کے مطابق جب تک آپ اپنی ناکامی کی وجوہات ڈھونڈتے رہتے ہیں آپ کا ذہن آپ کو کوشش کرنے سے روکتا رہتا ہے اگر آپ ان وجوہات کو قبول کرنے سے انکار کر دیں تو آپ کا ذہن آپ کی جدوجہد میں آپ کے ساتھ مصروف ہو جاتا ہے۔

جب ہم بامقصد زندگی نہیں گزار رہے ہوتے تو ہماری توجہ اس بات پر ہوتی ہے کہ کام میں صرف اتنی محنت کی جائے کہ کسی کو شکایت کا موقع نہ ملے مگر جب ہم بامقصد زندگی گزارتے ہیں تو ہم کام صرف وقت گزارنے کے لیے یا محض کام نمٹانے کے لیے نہیں کر رہے ہوتے بلکہ اس کام سے لطف اندوز ہوتے ہیں۔ جب آپ کام میں لطف محسوس کرتے ہیں تو آپ کی کارکردگی بھی بہتر ہوتی ہے اور لوگ آپ کے ساتھ کام کر کے، آپ کے ساتھ کاروبار کر کے خوشی محسوس کرتے ہیں۔

## قسمت

ہم زندگی کے بارے میں بہت ہی عجیب و غریب اور بعید از حقیقت نظریات رکھتے ہیں۔ جن میں ایک نظریہ یہ بھی ہے کہ ہماری زندگی و موت، رزق غرض سب کچھ قدرت کے تابع ہے اور ہمارا اس پر کوئی کنٹرول نہیں ہے۔ اور اس مثبت نظریے کے ہماری زندگی پر بہت ہی منفی اثرات مرتب ہو رہے ہیں۔ قسمت پر یقین کا یہ منفی پہلو ہمیں محنت سے جی چرانے کی ترغیب دیتا ہے۔ بے شک خدا نے سب کچھ ہمارے لیے طے کیا ہے اور ہمارے لیے ایک راہ بھی متعین کی ہے۔ اس کی رحمت سے یہ بعید ہے کہ جو کچھ اس نے انسان کے لیے متعین کیا ہے وہ اس کے فائدے کے لیے نہیں ہے؟ خدا نے انسان کی قسمت میں جو بھی لکھا ہے اس کے حصول کے لیے محنت کو وسیلہ بنایا ہے۔

حضور اکرم ﷺ کے پاس ایک روز ایک صحابیؓ نے شکایت کی کہ آپ نے تو کہا تھا کہ ہماری ہر چیز خدا کی حفاظت میں ہے لیکن آج میں اپنی اونٹنی کو چرتا چھوڑ کر نماز پڑھ رہا تھا جب میں نماز سے فارغ ہوا تو میری اونٹنی وہاں نہیں تھی۔ آپ ﷺ نے ان صحابیؓ سے پوچھا "تم نے اونٹنی کو کھونٹے کے ساتھ باندھا تھا؟"

انھوں نے جواب دیا کہ "جب ہر شے خدا کی حفاظت میں تو پھر اونٹنی کو باندھنے کی کیا ضرورت تھی؟"

"اونٹنی کی حفاظت تو خدا نے کرنی تھی مگر اس کام کے لیے اس نے کھونٹے کو وسیلہ مقرر کیا ہے"۔ حضور اکرم ﷺ نے جواب دیا۔

اگر اس بات کو مان بھی لیا جائے کہ انسان کی قسمت میں پہلے سے کچھ لکھا ہوا ہے، تو اس کے حصول کا وسیلہ تو بہر حال انسان کی محنت ہی ہے نا!

حدیث قدسی ہے:

"اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ میں اپنے بندے کے گمان میں رہتا ہوں۔ وہ میرے بارے میں جیسا سوچتا ہے ویسا ہی اس کے ساتھ ہوتا ہے۔"
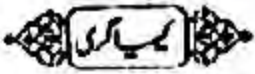




اگر انسان یہ سوچے کہ قدرت اس کے خلاف عمل پیرا ہے تو ناکامی اس کا مقدر ہوگی لیکن اس کا ذمہ دار کوئی اور نہیں وہ خود ہی ہوگا کیونکہ اللہ تعالیٰ ہر انسان کے ساتھ اس کے گمان کے مطابق سلوک کرتا ہے۔

پاؤلو کے مطابق "جب کوئی انسان کسی کام کو کرنے کا ارادہ کر لیتا ہے تو کائنات کی ہر شے اس کی مدد کے لیے مصروف ہو جاتی ہے۔"

"If somebody wishes to du something the whole universe conspires to make it come true."

اس امر کی دلیل ہمیں قرآن سے ان الفاظ میں ملتی ہے:

﴿فَاِذَا عَزَمْتَ فَتَوَكَّلْ عَلَى اللّٰهِ﴾ (سورۃ آل عمران: آیت ۱۵۹)

"اور جب کسی کام کا مصمم ارادہ کر لو تو مجھ پر بھروسہ کرو۔"

اس بات کی صداقت کی گواہی ہمیں اپنی روز مرہ زندگی میں ضرور نظر آئے گی۔ دوسروں کی مثال چھوڑیے خود آپ کی اپنی زندگی میں یہ ضرور ہوا ہوگا کہ آپ کسی بات کا مصمم ارادہ کر لیں تو بظاہر ناممکن کام بھی مکمل ہو جاتا ہے۔

اگر انسان وہ کام کرے جو اس کی میلان طبع کے مطابق ہو تو وہ اس کام سے لطف اندوز ہوتا اور اس میں کمال حاصل کرتا ہے۔ جب کہ اگر وہ کوئی کام محض مجبوراً کر رہا ہو تو اس کے ساتھ اتنا انصاف نہیں کر سکتا۔ ہمارا نظام تعلیم اس طرح سے ترتیب ہی نہیں دیا گیا کہ طالب علموں میں سوچنے اور اپنے ذہن کو استعمال کرنے کی استعداد پیدا کی جائے۔

ایک مشہور انگریزی مثل ہے:

"Who has no courage to loose sight of the share can never discover new horizons."

## مستقبل کی فکر

انسان یا تو اپنے ماضی کی کوتاہیوں پر پریشان رہتا ہے یا مستقبل کی فکر میں مبتلا رہتا ہے۔ اس فکر اور پریشانی میں وہ اپنے حال سے غافل ہو جاتا ہے۔ زندگی میں ماضی اور مستقبل کوئی مفہوم نہیں رکھتے۔ ماضی اس لیے نہیں کہ آپ اسے بدل نہیں سکتے۔ یہ پریشانی آپ کی صلاحیتوں کو کھاتی ہے اگر اس سے چھٹکارا پالیں تو آپ زیادہ بہتر انداز سے حال میں محنت کر سکتے ہیں۔

ہم مستقبل کا حال اس لیے جاننا چاہتے ہیں کہ آئندہ آنے والے حالات کے بارے میں پیش بندی کر لیں۔ ہم کسی آنے والے واقعے کو پہلے سے معلوم کر لیں ایسا کوئی علم غیب کسی انسان کو اللہ نے نہیں دیا۔ علم غیب صرف اللہ کے پاس ہے اور کبھی کبھی کسی انسان کو ضرورت کے مطابق یہ علم کسی بھی ذریعے سے عطا کر سکتا ہے۔

﴿وَمَا كَانَ اللّٰهُ لِيُطْلِعَكُمْ عَلَى الْغَيْبِ وَلٰكِنَّ اللّٰهَ يَجْتَبِيْ مِنْ رُّسُلِهٖ مَنْ يَّشَآءُ﴾ (سورۃ آل عمران: آیت ۱۷۹)

"یہ اللہ کا طریقہ نہیں کہ تم کو غیب کے بارے میں مطلع کر دے غیب کی باتیں بتانے کے لیے تو وہ اپنے رسولوں میں سے جس کو چاہتا ہے منتخب کر لیتا ہے۔"
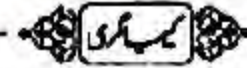
اور پھر اگر آپ آنے والے واقعے کو بدل سکیں تو پھر اس کا مطلب ہے کہ یہ واقعہ ہونے والا ہی نہیں تھا کیونکہ جو اللہ نے کرنا ہے وہ کسی بھی مخلوق کی طاقت سے باہر ہے کہ اسے بدل سکے۔ تو پھر سوال پیدا ہوتا ہے کہ اگر ہم کسی شے کو بدلنے کی صلاحیت نہیں رکھتے تو پھر اللہ تعالیٰ انسان کو کبھی کبھار بھی ہمیں اس کے بارے میں پیشگی علم کیوں دیتا ہے۔ پاؤلو کے مطابق اللہ تعالیٰ انسان کو مستقبل کے اس واقعے کے بارے میں آگاہی دیتا ہے جس کو اس نے لکھا ہی اس ارادے سے تھا کہ اس کو بدل دے گا۔

اللہ تعالیٰ نے ہمارے مستقبل میں آنے والے واقعات کے نشان ہمارے حال میں رکھ دیئے ہیں۔ اگر ہم محنت کریں تو ہمارا حال بدلے گا اور پھر یہ نشانیاں بھی بدلیں گی اور اس طرح مستقبل خود بخود بہتر ہو جائے گا۔

﴿لَيْسَ لِلْإِنسَانِ إِلَّا مَا سَعَىٰ﴾ (سورۃ النجم: آیت ۳۹)

"یعنی راز صرف اور صرف حال میں ہے۔"

## اپنی صلاحیتوں پر اعتماد

انسان کے اندر خدا نے کتنی صلاحیت رکھی ہے اگر انسان کو اس کا صحیح ادراک ہو جائے تو ہر انسان محیر العقول کارنامے انجام دے سکتا ہے۔ یہ ہمارے نظام تعلیم کی خامی ہے۔ بہت کم لوگ اس سے گزرنے کے بعد اپنی صلاحیت کا احساس حاصل کر پاتے ہیں۔

I'm not failed I just realize 10,000 ways that do not work.

لیس براؤن کو پیدائشی ذہنی معذوری کی وجہ سے والدین نے یتیم خانے میں داخل کروا دیا۔ اس کے استاد نے اسے ہمت دلائی اور اس میں آگے بڑھنے کی لگن پیدا کی۔ اس نے براؤن سے کہا "کسی اور کی تمہارے بارے میں رائے تمہاری صلاحیتوں کو متعین نہیں کر سکتی۔ تم نے خود اپنی راہ متعین کرنی ہے اور لوگوں کی اپنے بارے میں رائے کو غلط ثابت کرنا ہے۔"

استاد کی ہمت افزائی سے براؤن میں آگے بڑھنے کی لگن پیدا ہوئی اور اس نے اعلیٰ تعلیم حاصل کی اور ماہر تعلیم اور لیکچرر بن گیا۔ آج امریکہ میں اس کے پائے کا ماہر تعلیم کوئی اور نہیں ہے۔ وہ بیس ہزار ڈالر فی گھنٹہ معاوضہ وصول کرتا ہے۔

اگر آپ ان کامیاب افراد، جو کسی بھی استطاعت میں دنیا کی تاریخ پر اثر انداز ہوئے، کی زندگی کا مطالعہ کریں تو آپ کو احساس ہوگا کہ ان میں سے ہر شخص چاہے وہ قائد اعظم ہوں یا کوئی اور مشہور عالمی رہنما، یا پھر نبی کریم ﷺ کی مثال لے لیں۔ ان میں سے ہر شخص نے جب جدوجہد شروع کی تو وہ تن تنہا ہی تھا۔ اور ہر وہ شخص جو کوئی نئی ایجاد کرنے میں کامیاب ہوا آغاز میں اسے بھی لوگوں کے استہزا کا نشانہ بننا پڑا۔ ان کو بھی اس وقت کے لوگوں نے وقت اور پیسے کے ضیاع کا مرتکب قرار دیا۔ لیکن ان میں سے ہر شخص نے صرف اور صرف اپنی محنت اور لگن سے نہ صرف لوگوں کے الزام کو غلط ثابت کیا بلکہ وہی لوگ بعد میں ان کی حمایت پر بھی مجبور ہوئے۔ انسان اگر حالات کی ناسازگاری اور مواقع کی کمی کی شکایت کرنے کی بجائے ہمت اور حوصلے کے ساتھ کسی مقصد کے حصول کے لیے جدوجہد کرے تو بالآخر کامیابی اس کے قدم چومتی
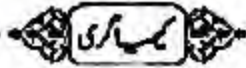




ہے۔ جبکہ نامساعد حالات کا رونا رونے والے سازگار حالات میں بھی کوئی قابل ذکر کارنامہ انجام نہیں دے پاتے۔

یاران تیز گام نے محمل کو جا لیا
اور ہم محو نالۂ جرس کارواں رہے

ایک انگریزی کہاوت ہے: "ننانوے فی صد ناکامی ان لوگوں کے سبب ہوتی ہے جو کام نہ ہونے کی تاویلات دینے کے عادی ہوتے ہیں۔"

## محض اتفاق

پاؤلو کے بقول دنیا میں محض اتفاق نام کی کسی شے کا کوئی وجود نہیں ہے۔ سب کچھ خالق کائنات کی طرف کی منصوبہ بندی کے مطابق انجام پاتا ہے۔ بعض اوقات آپ کو اپنی محنت کا صلہ نہیں ملتا اور آپ مایوسی اور قنوطیت کا شکار ہو جاتے ہیں۔ لیکن کبھی آپ نے غور کیا ہے کہ آپ جس واقعے کو محض اتفاق قرار دے کر نظر انداز کر دیتے ہیں وہ شائد آپ کی اس محنت کے صلے میں واقع ہوا ہے جس کا نتیجہ اس وقت نہیں نکلا تھا۔ اللہ تعالیٰ رحمٰن الرحیم اور عالم الغیب ہے۔ اسے معلوم ہے کہ آپ کے لیے کیا چیز کس وقت درست ہے اس لیے وہ آپ کی محنت کا صلہ تھوڑی دیر کے لیے مؤخر کر دیتا ہے اور آپ کو اپنی محنت کا صلہ چاہے دیر سے ملے ملتا ضرور ہے۔ اور یہ دیر بھی آپ کے معیار کے مطابق ہے جب کہ اس کے مطابق یہی صحیح وقت تھا۔

شہرہ آفاق کتاب "The Power of Positive Thinking" کے مصنف کے مطابق "قدرت ہمیشہ مساوات کے اصول پر عمل کرتی ہے۔ کبھی انسان کو اس کی محنت کا صلہ فوری طور پر نہیں ملتا اور کبھی اس کو اس کی محنت سے زیادہ مل جاتا ہے۔"

## محنت

پاؤلو کے مطابق اکثر انسان مقصد کا ادراک حاصل کر لینے کے باوجود اس کے حصول کی جدوجہد نہیں کرتے کیونکہ:

☆ وہ ناکامی سے خوفزدہ ہوتے ہیں۔
☆ مقصد کے حصول کے لیے درکار محنت سے جی چراتے ہیں۔
☆ مقصد کی صداقت پر غیر محکم یقین کا فقدان ہوتا ہے۔۔۔
☆ ناکامی کا خوف اور اپنی صلاحیتوں پر اعتقاد کی کمی انسان کو مقصد کے حصول کی کوشش سے دور رکھتی ہے۔

محنت کامیابی کے لیے بنیادی شرط ہے۔ اللہ تعالیٰ انسان کی مدد اس وقت کرتا ہے جب وہ پہلے اپنی استطاعت کے مطابق بھرپور محنت کرے۔ فرمان خداوندی ہے:

﴿لَا يُغَيِّرُ مَا بِقَوْمٍ حَتَّىٰ يُغَيِّرُوا مَا بِأَنفُسِهِمْ﴾ (سورۃ الرعد: آیت ۱۰)

اللہ تعالیٰ نے آج تک اس قوم کی حالت نہیں بدلی جب تک وہ اپنی حالت کو خود نہ بدلیں۔

کامیابی صرف یہی نہیں ہے کہ آپ منزل پر پہنچ جائیں اگر منزل سے کچھ پیچھے بھی رہ جائیں اور آپ بغور جائزہ لیں تو آپ اس سفر کے دوران کئی اور منازل حاصل کر چکے ہوتے ہیں جو بجائے خود ایک کامیابی کا درجہ رکھتی ہیں۔

ہر انسان یہ صلاحیت رکھتا ہے کہ ہر اس چیز کو حاصل کرے جس کا وہ ارادہ کرلے۔

اللہ نے کسی بھی کامیابی کے حصول کے لیے محنت کو وسیلہ مقرر کیا ہے۔

اور پھر رسول نبی کریم ﷺ کی پوری زندگی جو تمام انسانوں کے لیے مکمل نمونہ ہے اس بات پر شاہد ہے۔ غزوہ کے بعد نازل ہونے والی آیات میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ کس طرح اللہ نے آپ ﷺ کی مدد کے لیے فرشتے نازل کیے۔ سوچنے کی بات یہ ہے کہ جب اللہ نے مسلمانوں کو فرشتوں کی نصرت سے فتح دینی تھی تو پھر آپ ﷺ کو اتنی سختیاں جھیلنے کی کیا ضرورت تھی۔

ایک غزوے کے دوران پانی ختم ہو گیا۔ کئی روز سے بارش نہ ہونے کی وجہ سے پانی کے کنویں خشک ہو چکے تھے۔ صحابہ کرام نے آپ ﷺ سے بارش کے لیے دعا کرنے کی درخواست کی۔ آپ ﷺ نے لشکر میں موجود پانی کے تمام برتن لانے کا حکم دیا۔ صحابہ کرام نے عرض کیا کہ تمام تر برتن خشک ہو چکے تھے۔ آپ ﷺ نے حکم دیا کہ پھر بھی پانی کے تمام برتن اور مشکیں آپ کے سامنے لائی جائیں۔ جب برتن اور مشکیں لائی گئیں تو آپ نے ان مشکوں کو ایک پیالے میں نچوڑنے کا حکم دیا۔ خالی مشکوں کو جب نچوڑا گیا تو آدھا پیالہ پانی نکلا۔

آپ ﷺ نے صحابہ کرام کو مخاطب کرتے ہوئے فرمایا:

"اللہ تعالیٰ انسانوں کی دعا اس وقت قبول کرتا ہے جب بندہ پہلے اپنی استطاعت کے مطابق پوری کوشش کرے اور پھر اللہ سے مدد کی دعا کرے۔"

تب آپ ﷺ نے ہاتھ اٹھا کر دعا فرمائی اور موسلا دھار بارش ہوئی۔

## انسان کی زندگی کا مقصد

زندگی کا مقصد سمجھنے سے قبل زندگی کی حقیقت سمجھنا ضروری ہے۔

کیا ہماری زندگی ماں کے پیٹ سے جنم لینے سے شروع ہوتی ہے اور موت کے بعد ختم ہو جاتی ہے؟

کسی بھی مذہب کے ماننے والا یا خدا کی ذات کا انکار کرنے والا کوئی شخص اس حقیقت سے انکار نہیں کرسکتا کہ انسان اس دنیا میں محدود وقت لے کر آیا ہے۔ اور ہر مذہب میں اس دنیا میں کیے گئے اعمال کی جواب دہی کا تصور بھی موجود ہے۔ چاہے آپ ہندوازم کے آواگون کے نظریے کو ہی لے لیں۔ انسان اپنے اچھے یا برے اعمال کی جزا یا سزا کے طور پر اپنی موجودہ حالت سے اچھے یا برے روپ میں دوبارہ جنم لے گا۔ اسلام ہمیں اس دنیا کی اصل حقیقت سے آگاہی دیتا ہے۔ دنیا میں ہر انسان کو ایک محدود زندگی عطا کی گئی ہے۔ جس کے اختتام پر ہر انسان اپنے خالق کے سامنے حاضر ہوگا





جہاں اس کے سامنے دنیا میں کیے جانے والے اس کے اعمال رکھے جائیں گے۔ اور ان اعمال کی بنیاد پر اس بات کا فیصلہ کیا جائے گا کہ وہ جنت میں واپس جائے گا یا پھر دوزخ اس کا ٹھکانا ہوگی۔

اس کا مطلب یہ ہوا کہ دنیا محض انسان کا عارضی ٹھکانہ اور مقامِ آزمائش ہے۔

اور کوئی بھی ذی شعور انسان اس بات سے انکار نہیں کرسکتا کہ وہ کسی بھی ایسی جگہ جہاں وہ بہت تھوڑے وقت کے لیے آیا ہے وہاں وہ کوئی بھی ایسا کام نہیں کرے گا جس سے یہ احساس ہو کہ وہ یہاں ہمیشہ رہے گا، یا پھر جس سے اس کے وہاں آنے کا مقصد ہی خطرے میں پڑ جائے۔

مثلاً بہاولپور سے تعلق رکھنے والا ایک شخص اگر پڑھائی کی غرض سے لاہور جائے تاکہ اچھی تعلیم حاصل کر کے اپنا مستقبل سنوارے۔ لاہور میں وہ صرف اتنا سامان جمع کرے گا جتنا کہ اسے اپنے مختصر قیام کے لیے ضروری ہے۔ اور اپنے لاہور میں قیام کے دوران وہ کوئی ایسا کام نہیں کرے گا جس سے اس کے مقصد پر زد پڑے اور نہ ہی وہ لاہور میں مستقل جائیداد بنانے میں مگن ہو جائے گا۔ کوئی بھی ایسا اقدام جو مستقل نوعیت کا ہو وہ اس جگہ پر کرے گا جہاں اس کا مستقل قیام ہے۔

تو پھر عقل مندی کا تقاضا یہ ہے کہ ہم اس دنیا کے لیے بھی اتنی ہی محنت کریں جتنا کہ ہم نے اس دنیا میں رہنا ہے۔ اس دنیا کی زندگی آخرت کے مقابلے میں اتنی مختصر ہے کہ اس کی آخرت کی زندگی سے کوئی نسبت تناسب ہی نہیں ہے۔ اس زندگی میں انسان کی اوسط عمر جاپان میں دنیا میں سب سے زیادہ یعنی ۹۰ سال ہے، جبکہ آخرت کی زندگی کبھی ختم نہ ہونے والی ہے۔

عقل کا تقاضا ہے انسان اخروی زندگی کو زیادہ اہمیت دے اور دنیا کی عارضی زندگی میں وہ کام کرے جو اخروی زندگی میں کامیابی کا باعث ہوں۔ انسان کے عارضی مقاصد اس کی اصل کامیابی میں ممد و معاون ہونے چاہئیں۔

لڑکے کا نام سن تیا گو تھا۔ جب وہ متروک چرچ کے پاس پہنچا تو شام ڈھل چکی تھی۔ اس چرچ کی چھت عرصہ ہوا گر چکی تھی۔ اور جہاں کبھی پادری کا منبر ہوتا ہوگا، وہ جگہ انجیر کے ایک بہت بڑے درخت نے لے لی تھی۔

لڑکے نے وہ رات اسی جگہ پر گزارنے کا فیصلہ کیا۔ جب تمام بھیڑیں شکستہ دروازے سے گزر گئیں تو اس نے دروازہ بند کر کے اس کے آگے ایک تختہ لگا دیا تا کہ رات کے وقت بھیڑیں باہر نہ نکل سکیں۔ اس علاقے میں بھیڑیوں کا خطرہ تو نہیں تھا لیکن ریوڑ سے بچھڑی ہوئی بھیڑ کو ڈھونڈنا بذات خود تھکا دینے والا کام تھا۔

لڑکے نے اپنی جیکٹ سے فرش صاف کیا اور کتاب کا تکیہ بنا کر لیٹ گیا۔ اس نے آج یہ کتاب ختم کر لی تھی۔ اس نے سوچا کہ اب اسے اس کتاب کے بدلے میں زیادہ ضخیم کتاب لینی چاہیے تا کہ اس کو پڑھنے میں زیادہ وقت گزرے اور اس کا تکیہ بھی بہتر بن سکے گا۔

جب وہ صبح کے وقت جاگا تو ابھی تک اندھیرا چھایا ہوا تھا۔ ٹوٹی ہوئی چھت میں سے ستارے جھانک رہے تھے۔

"مجھے تھوڑا اور سونا چاہیے تھا۔" اس نے دل میں سوچا۔ آج رات پھر اس نے وہی خواب دیکھا تھا جو اسے ایک ہفتہ قبل نظر آیا تھا مگر خواب آج بھی ادھورا تھا۔

وہ اُٹھ کھڑا ہوا اور ان بھیڑوں کو اُٹھانا شروع کر دیا جو ابھی تک نہیں اُٹھی تھیں۔ جب بھی وہ جاگتا تھا اس کی زیادہ تر بھیڑیں بھی جاگ جاتی تھیں۔ ایسا لگتا تھا کہ کسی غیر مرئی قوت سے وہ اور اس کی بھیڑیں ایک دوسرے کے ساتھ جڑے ہوئے تھے۔ آخر کیوں نہ ہو اس نے ان بھیڑوں کے ساتھ دو سال گزارے تھے۔ اور ان کے ساتھ جنگلوں بیابانوں میں چارے اور پانی کی تلاش میں مارا مارا پھرا تھا۔ بھیڑیں اب اس کے ساتھ اتنی مانوس ہو گئی تھیں کہ اس کے اوقات کار کا بھی انہیں اندازہ ہو گیا تھا۔

"یا پھر میں ان کے اوقات کار کا عادی ہو گیا ہوں۔" اس نے سوچا۔

کچھ ایسی بھیڑیں بھی تھیں جو جاگنے میں ذرا وقت لگاتی تھیں۔ انہیں جگانا پڑتا تھا۔ اس کا خیال تھا کہ بھیڑیں اس کی زبان سمجھتی تھیں۔ اس لیے وہ کبھی کبھی کتاب میں سے کچھ تحریر انہیں پڑھ کر سناتا تھا اور انہیں اپنے دکھ درد بھی سناتا تھا اور انہیں اپنی تنہائی میں شریک کرتا۔ وہ ان کے سامنے اس گاؤں پر بھی تبصرہ کرتا جہاں سے وہ گزرتے تھے۔

لیکن پچھلے چند دنوں سے وہ اپنی بھیڑوں کے ساتھ صرف ایک موضوع پر بات کر رہا تھا۔ ایک "دوشیزہ" جو ایک تاجر کی بیٹی تھی جو اس گاؤں میں رہتا تھا جس تک پہنچنے کے لیے انہیں مزید چار دن درکار تھے۔





اس گاؤں میں اس سے پہلے وہ ایک دفعہ، ایک سال قبل آیا تھا۔ تاجر اون کا کاروبار بھی کرتا تھا۔ وہ انتہائی شکی مزاج تھا۔ اس کا مطالبہ ہوتا تھا کہ بھیڑ کی اون اس کی نظروں کے سامنے اُتاری جائے۔ وہ اس تاجر کے پاس اپنے ایک دوست کے توسط سے پہنچا تھا۔ اس روز دکان پر رش تھا۔ اس لیے لڑکے کو انتظار کرنا پڑا۔ وہ دکان کی سیڑھیوں پر بیٹھ گیا اور اپنے تھیلے میں سے کتاب نکال کر پڑھنے لگا۔

"مجھے نہیں معلوم تھا کہ چرواہے بھی پڑھنا جانتے ہیں۔" عقب سے لڑکی کی مترنم آواز آئی۔

لڑکی اندلس کی بے مثال خوبصورتی کا مکمل نمونہ تھی۔ سیاہ لہراتے بال۔ اور گہری خوبصورت آنکھوں میں عرب نقوش کی جھلک تھی۔

"جی ہاں! لیکن میں نے کتاب کی نسبت اپنی بھیڑوں سے زیادہ سیکھا ہے۔" اس نے جواب دیا۔

اگلے دو گھنٹے تک وہ ایک دوسرے کو اپنے حالات سناتے رہے۔

"تم نے پڑھنا کیسے سیکھا؟" لڑکی نے استفسار کیا۔

"جیسے سب پڑھنے والے سیکھتے ہیں..... سکول میں۔"

"اگر تم پڑھنا جانتے ہو تو تم بھیڑیں کیوں چراتے ہو؟" لڑکا کچھ بڑبڑایا تا کہ لڑکی کچھ نہ سمجھ سکے۔

وہ لڑکی کو اپنے سفر کی کہانیاں سناتا رہا۔ جنہیں سن کر لڑکی کی گہری آنکھوں میں حیرت اور خوف کا ملا جلا تاثر تھا۔ لڑکا دعا مانگ رہا تھا کہ وقت تھم جائے یا پھر لڑکی کا باپ مزید مصروف ہو جائے اور اسے لڑکی کے ساتھ کچھ مزید وقت گزارنے کا موقع مل جائے لیکن اس کی دونوں دعائیں قبول نہ ہوئیں اور تاجر نے اسے چار بھیڑوں کی اون اتارنے کو کہا۔ جب وہ فارغ ہوا تو بیوپاری نے اسے پیسے دیتے ہوئے کہا کہ وہ اگلے سال پھر آئے۔

اور اب چار دن بعد وہ دوبارہ اس گاؤں میں ہوگا۔ وہ اس بات پر مسرور بھی تھا لیکن اس کے دل کے کسی خانے میں خوف بھی چھپا ہوا تھا کہ کہیں لڑکی اسے بھول ہی نہ چکی ہو۔ آخر اس کے علاوہ اور بھی بہت سے چرواہے وہاں سے گزرتے ہوں گے۔

"مجھے اس کی زیادہ فکر بھی نہیں ہے۔" اس نے اپنی بھیڑوں سے کہا۔

"میں اور بھی کئی لڑکیوں کو جانتا ہوں۔"

لیکن اس کا دل اس کے ساتھ نہیں تھا۔ وہ ابھی تک تاجر کی دکان کی سیڑھیوں پر اٹکا ہوا تھا۔ چرواہوں، پھیری والوں اور ملاحوں کے دل کہیں نہ کہیں ضرور اٹکے ہوتے ہیں۔ کہیں نہ کہیں کوئی ایسا ضرور ہوتا ہے جس کے ساتھ ان کا دل ہوتا ہے

جوان سے ان کی خوشیاں اور سیاحت کا لطف چھین لیتا ہے۔

سورج نکلنے والا تھا اس نے اپنے ریوڑ کو مشرق کی طرف موڑا۔ "انہیں کبھی فیصلہ کرنے کی دقت نہیں اٹھانا پڑتی، شاید اسی لیے یہ میرے اتنا نزدیک رہتی ہیں" اس نے دل میں سوچا۔

"صرف چارے اور پانی کا حصول ہی ان کی زندگی کا مقصد ہے۔ جب تک میں انہیں اندلس کی بہترین چراگاہوں میں لے جاتا رہوں گا، یہ میرے ساتھ رہیں گی۔ ان کے دن ہمیشہ ایک جیسے ہوتے ہیں، طویل اور نہ ختم ہونے والے۔ انہیں صرف چارے اور پانی سے مطلب ہے اور بدلے میں وہ نہایت سخاوت سے ہر سال اُون دیتی ہیں اور زندگی میں ایک بار گوشت بھی۔ اگر میں ان کو ایک ایک کرکے ذبح کرنا شروع کردوں تو ان کو اس وقت احساس ہوگا جب میں آدھے سے زیادہ ریوڑ کو ذبح کر چکا ہوں گا۔ یہ اپنی جبلت پر انحصار کرنا بھول گئی ہیں۔ وہ جبلت جو انہیں خطرے سے آگاہ کرتی ہے۔ یہ مجھ پر اس لیے بھروسہ کرتی ہیں کیونکہ میں انہیں کھلاتا اور پلاتا ہوں۔" لڑکے کو اپنی سوچ پر حیرت ہوئی۔

شاید یہ بوڑھاں چرچ کا اثر تھا کہ اس کی سوچ میں اس قدر قنوطیت آ گئی تھی۔

اس چرچ کے قریب اس نے دوبارہ وہ خواب بھی تو دیکھا تھا، شاید یہ اسی چرچ کا ہی اثر تھا کہ اسے بھیڑوں پر جھنجلاہٹ ہو رہی تھی۔

اس نے جھنجلاہٹ دور کرنے کے لیے پانی پیا اور اپنی جیکٹ کو جسم کے گرد کس کر لپیٹ لیا۔ لیکن اسے یہ جیکٹ بھی بوجھ لگ رہی تھی۔

"اس بوجھ کو اس وقت تک اُٹھانا پڑے گا جب تک سورج اپنے عروج پر نہ پہنچ جائے۔ پھر گرمی اتنی بڑھ جائے گی کہ مزید سفر جاری رکھنا ممکن نہیں ہوگا۔" یہ وہ وقت ہوتا ہے جب تمام سپین قیلولہ کرتا ہے۔ گرمی کی شدت شام ڈھلنے تک جاری رہتی تھی۔ معاً اسے اس جیکٹ کی افادیت کا خیال آیا۔ اس کی وجہ سے وہ صبح کی خنکی کا سامنا کر پایا تھا۔

"جیکٹ کا بھی ایک مقصد تھا۔ جیسا کہ اس کی زندگی کا مقصد تھا۔"

اس کی زندگی کا مقصد تھا سیاحت۔ سپین میں دو سال تک آوارہ گردی کرنے کے بعد اسے تمام شہروں اور قصبوں کا حدود اربعہ معلوم ہو گیا تھا۔ اس دفعہ اس کا ارادہ تھا کہ وہ تاجر کی بیٹی کو بتائے گا کہ ایک چرواہے نے لکھنا پڑھنا کیسے سیکھا۔

سولہ سال کی عمر تک اس نے مدرسے میں تعلیم حاصل کی تھی۔ اس کے والدین کی خواہش تھی کہ وہ پادری بنے تاکہ پورا خاندان اس پر فخر کر سکے۔

وہ خود سخت محنت کرتے تھے، صرف دو وقت کی روٹی کے لیے بالکل اس کی بھیڑوں کی طرح۔ اس نے مذہبی تعلیم کے ساتھ ہسپانوی اور لاطینی زبان سیکھی لیکن بچپن سے ہی اس کی خواہش تھی کہ وہ دنیا کی سیر کرے۔

یہ مقصد اس کی نزدیک خدا کو جاننے اور پادری بننے سے زیادہ اہم تھا۔ ایک دوپہر اس نے اپنی تمام تر جرأت جمع کرکے اپنے باپ کو اپنی اس خواہش سے آگاہ کیا۔





"ہمارے گاؤں میں پوری دنیا کے سیاح آتے ہیں۔ وہ کسی نئی چیز کی تلاش میں آتے ہیں اور جب واپس جاتے ہیں تو بالکل ویسے ہی ہوتے ہیں جیسا کہ وہ یہاں آنے سے پہلے تھے۔" اس کے باپ نے اسے سمجھاتے ہوئے کہا۔

"وہ اس پہاڑ پر چڑھنے کی مشقت صرف اس لیے جھیلتے ہیں۔" اس کے باپ نے پہاڑ کی طرف اشارہ کرتے ہوئے اپنی بات جاری رکھی۔

"تاکہ وہ جھیل کا نظارہ کر سکیں اور جب وہ یہاں سے جا رہے ہوتے ہیں تو ان کا خیال ہوتا ہے کہ ماضی حال سے کتنا بہتر تھا۔ ان کے چاہے سنہرے بال ہوں یا وہ گندمی رنگت کے ہوں، ہوتے وہ ہمارے جیسے انسان ہی ہیں اور جہاں وہ رہتے ہیں وہ جگہ بھی ہماری اس زمین جیسی ہی ہے۔"

"لیکن میں پھر بھی ان کے شہروں کو دیکھنا چاہتا ہوں جہاں وہ رہتے ہیں۔" لڑکے نے اصرار کیا۔

"ان کی خواہش ہوتی ہے کہ کاش وہ ہمارے خوبصورت علاقے میں ہمیشہ رہ سکتے۔" باپ نے کہا۔

"مگر میں ان کا علاقہ اور ان کی بود و باش دیکھنا چاہتا ہوں۔" لڑکے نے جواب دیا۔

"مگر سیاحت کے لیے تو کافی پیسہ درکار ہوتا ہے..... اور ہمارے پاس صرف دو وقت کی روٹی ہے۔ ہمارے ہاں تو صرف چرواہے ہی چراگاہوں کی تلاش میں سیاحت کر سکتے ہیں۔" باپ نے بیٹے کو سمجھانے کی آخری کوشش کی۔

"تو پھر میں چرواہا بنوں گا تاکہ اپنے ریوڑ کو پورے سپین میں لیے لیے پھروں۔" لڑکے نے فیصلہ کن لہجے میں جواب دیا۔ باپ نے بھی مزید بحث کرنا فضول سمجھا۔

اگلے دن اس کے باپ نے اس کے سامنے سونے کے تین سکے رکھے۔

"یہ مجھے کئی سال قبل راستے سے ملے تھے میں نے اس لیے سنبھال کر رکھ دیے کہ ایک دن تمہارے کام آئیں گے۔ اب تم ان سے بھیڑیں خرید لو اور اپنا شوق پورا کرو مگر ایک دن تمہیں احساس ہوگا کہ تم جس علاقے کو چھوڑ کر جا رہے ہو وہ دنیا کا سب سے خوبصورت علاقہ ہے۔"

جب اس کا باپ اسے اپنی دعاؤں سے رخصت کر رہا تھا تو اسے اپنے باپ کی آنکھوں میں بھی ایک دبی ہوئی خواہش نظر آئی..... دنیا دیکھنے کی خواہش۔

اس نے اس خواہش کو دبانے میں عمر گزار دی تھی مگر وہ خواہش اب بھی اس کی آنکھوں سے عیاں تھی۔ یہ خواہش دو وقت کی روٹی کی تلاش کے پیچھے دبی ہوئی ضرور تھی مگر ابھی تک زندہ تھی۔

......❁......

فلک پر صبح کی سرخی کے پیچھے سے سورج آہستہ آہستہ نکل رہا تھا۔ لڑکا اپنے اور باپ کے درمیان ہونے والی بحث کو یاد کر رہا تھا۔ وہ اپنے فیصلے پر مطمئن تھا۔ اب تک وہ کئی خوبصورت مقامات سے گزرا تھا اور اس کی ملاقات کئی لوگوں سے ہوئی جن سے اس نے بہت کچھ سیکھا تھا۔ وہ بہت سی عورتوں سے بھی ملا۔ مگر ان میں سے کوئی بھی اس جیسی نہیں تھی جس سے اس نے چند دن بعد ملنا تھا۔

اس کے پاس بھیڑوں کا ریوڑ تھا۔ ایک کتاب تھی جس کے بدلے میں وہ ایک اور کتاب خرید سکتا تھا اور ایک جیکٹ تھی جو اسے سردی کی شدت میں راحت بخش حرارت دیتی تھی لیکن سب سے بڑھ کر یہ کہ وہ ہر روز اپنے خواب کی تعبیر میں گزارتا تھا... سیاحت کا خواب۔

یہ خواب اس کے لیے دنیا کی ہر چیز سے زیادہ قیمتی تھا۔ اگر سپین کی سیاحت سے اس کا دل بھر گیا تو وہ اپنا گلہ بیچ کر سمندروں کے سفر پر نکل جائے گا۔ جب تک اس کا دل سمندر کی وسعتوں سے بھرے گا تو اس وقت تک وہ کئی مزید شہر دیکھ چکا ہو گا۔ بے شمار لوگوں سے مل چکا ہو گا اور اس کے پاس کئی حسین یادوں کا خزانہ ہو گا۔

اس کی کوشش ہوتی تھی۔ کہ وہ اس راہ پر نہ چلے جہاں سے ایک بار گزر چکا ہو۔ اس متروک چرچ سے اس کا گزر اس سے قبل نہیں ہوا تھا۔ دنیا بہت وسیع تھی۔ ہر بار اس کا گزر کسی نئی جگہ سے ہوتا تھا جو اس سے قبل آنے والی جگہوں سے زیادہ خوبصورت ہوتی تھیں۔

بھیڑوں کو آج تک اس بات کا اندازہ نہیں ہو سکا کہ وہ نئی جگہ سے گزر رہی ہیں یا وہی پرانا راستہ ہے۔ انہیں اس بات سے کوئی سروکار نہیں ہے کہ چراگاہ نئی ہے، یا بہار نے خزاں کی جگہ لے لی ہے۔ ان کی زندگی کا مقصد صرف اور صرف چارے اور پانی کا حصول ہے۔

"شاید میں بھی ان بھیڑوں سے مختلف نہیں ہوں"۔ لڑکے نے سوچا۔

"جب سے میں تاجر کی بیٹی سے ملا ہوں، مجھے بھی کسی اور لڑکی کا خیال اچھا نہیں لگا"۔

سورج کو دیکھ کر اس نے اندازہ کیا کہ دوپہر تک وہ طرفہ پہنچ جائے گا۔ طرفہ میں وہ اپنی پرانی کتاب کے بدلے مزید ضخیم کتاب لے گا۔ بوتل تازہ پانی سے بھرے گا اور حجامت بھی بنوائے گا تاکہ تاجر کی بیٹی سے ملاقات کے لیے تیار ہو سکے۔

وہ اس خیال کو دل میں جگہ دینے کے لیے تیار ہی نہیں تھا کہ تاجر نے اب تک اس کی شادی کر دی ہو گی۔

خواب کی تعبیر کے پورا ہونے کا انتظار زندگی کو دلچسپ بنا دیتا ہے۔

اس نے دوبارہ سورج کی طرف دیکھ کر وقت کا اندازہ کیا اور ریوڑ کو ہانکنے لگا تاکہ دھوپ تیز ہونے سے قبل طرفہ پہنچ جائے۔

پھر اسے یاد آیا کہ طرفہ میں ایک بوڑھی عورت رہتی تھی جو خوابوں کی تعبیر بتاتی تھی۔





بوڑھی خاتون لڑکے کو ایک کمرے میں لے گئی۔ ایک پردہ اس کمرے کو خواب گاہ سے الگ کرتا تھا۔ کمرے میں ایک میز اور دو کرسیوں کے علاوہ مسیح کی تصویر بھی مزین تھی۔ بڑھیا نے اسے ایک کرسی پر بیٹھنے کا اشارہ کیا اور خود اس کے سامنے والی کرسی پر بیٹھ گئی۔ اس نے لڑکے کے دونوں ہاتھ اپنے ہاتھوں میں لے لیے اور آنکھیں بند کر کے کوئی دعا پڑھنے لگی۔

لڑکے کو ایسے محسوس ہوا جیسے وہ خانہ بدوشوں کی مخصوص دعا پڑھ رہی ہو۔ اس کا واسطہ اس سے قبل بھی خانہ بدوشوں سے پڑ چکا تھا۔

خانہ بدوش بھی اپنی زندگی سفر میں گزارتے ہیں مگر ان کے پاس بھیڑوں کا ریوڑ نہیں ہوتا۔ خانہ بدوش لوگوں کو مختلف کرتب دکھا کر پیسہ بٹورتے ہیں۔ ان کے بارے میں یہ تاثر بھی پایا جاتا تھا کہ وہ خرکاری بھی کرتے ہیں۔ خانہ بدوش بچوں کو اغوا کر کے ان سے بھیک منگواتے ہیں۔ بچپن میں اسے خانہ بدوشوں سے بہت خوف آتا تھا۔ جیسے ہی اس بڑھیا نے لڑکے کا ہاتھ پکڑا بچپن کا خوف دوبارہ لوٹ آیا۔

"لیکن اس کے گھر میں مسیح کی تصویر اس بات کی علامت ہے کہ یہ بری عورت نہیں ہے"۔ اس نے اپنے آپ کو تسلی دیتے ہوئے کہا۔ وہ کوشش کر رہا تھا کہ عورت کو اس کے ہاتھوں کی کپکپاہٹ سے اس کے اندرونی خوف کا اندازہ نہ ہو۔

"دلچسپ"۔

بڑھیا نے اپنی نظریں لڑکے کی ہتھیلیوں پر جماتے ہوئے کہا۔

لڑکا نروس ہونے لگا۔ اس کے ہاتھ کانپنے لگے۔ بڑھیا کو بھی اس کے ہاتھوں کی کپکپاہٹ کا احساس ہو گیا۔ لڑکے نے یکدم اپنے ہاتھ چھڑا لیے۔

"میں تمہارے پاس اپنا ہاتھ دکھانے نہیں آیا"۔ لڑکے نے بڑھیا کو مخاطب کیا۔ اسے افسوس ہو رہا تھا کہ وہ یہاں کیوں آیا۔

ایک لمحے کے لیے اس نے سوچا کہ وہ بڑھیا کی فیس ادا کرے اور اس سے اپنے خواب کی تعبیر معلوم کیے بغیر چلا جائے۔

"تم یہاں اپنے خواب کی تعبیر جاننے کے لیے آئے ہو"۔ بوڑھیا نے کہا۔ "اور خواب خدا کا کلام ہے۔ اگر خدا ہم سے ہماری زبان میں کلام کرے تو میں اس کی تعبیر بتا سکتی ہوں لیکن اگر خدا روح کی زبان میں بات کرے تو صرف وہی اس کا مفہوم جان سکتا ہے جس سے کہ خدا نے کلام کیا ہے"۔

"اگر تم مجھ سے مشورہ کرو گے تو میں تم سے فیس بہر حال لوں گی۔"

"ایک اور کرتب" لڑکے نے سوچا۔ پھر بھی اس نے سوچا کہ ایک چانس لیا جائے۔ چانس لینا چرواہے کی جبلت میں شامل ہوتا ہے۔ وہ بھیڑیوں کے ساتھ چانس لیتا ہے۔ اور پھر خشک سالی کے ساتھ بھی۔ اور یہی چانس چرواہے کی زندگی کو دوسروں کی زندگی سے مختلف اور دلچسپ بناتا ہے۔

"میں نے ایک ہی خواب دوبارہ دیکھا ہے" لڑکا بولا۔

"میں نے دیکھا کہ میں چراگاہ میں ہوں اور ایک بچہ آتا ہے اور بھیڑوں کے ساتھ کھیلنا شروع کر دیتا ہے۔ میں مردوں کو ایسا نہیں کرنے دیتا کیونکہ بھیڑیں مردوں سے خوفزدہ ہو کر بھاگنے لگتی ہیں لیکن وہ بچوں سے خوفزدہ نہیں ہوتیں۔ مجھے نہیں معلوم کہ جانوروں کو انسانوں کی عمر کا کس طرح سے احساس ہو جاتا ہے۔"

"مجھے اپنے خواب کے بارے میں مزید بتاؤ"۔ بڑھیا بولی۔

"میں نے کھانا پکانا ہے اور تمہارے پاس میری فیس کے لیے پورے پیسے بھی نہیں ہیں اس لیے میں تمہیں زیادہ وقت نہیں دے سکتی"۔

"بچہ کافی دیر تک میری بھیڑوں کے ساتھ کھیلتا رہا"۔ لڑکے نے اپنی بات دوبارہ شروع کی۔

"اچانک بچے نے مجھے میرے دونوں ہاتھوں سے پکڑ کر اچھالا اور مجھے اہرام مصر پر پھینک دیا"۔

اس نے توقف کیا تا کہ جان سکے کہ بڑھیا کو اہرام مصر کا کچھ اندازہ تھا کہ نہیں لیکن بڑھیا خاموش رہی۔

"پھر اہرام مصر پر......"

اس نے لفظ "اہرام مصر" ٹھہر ٹھہر کر اور کھینچ کر ادا کیا تا کہ بڑھیا سمجھ سکے۔

"بچے نے مجھ سے کہا۔ "اگر تم یہاں آؤ تو تمہیں ایک خزانہ مل سکتا ہے۔" لیکن جیسے ہی وہ مجھے خزانے کی جگہ دکھانے لگتا ہے میری آنکھ کھل جاتی ہے۔"

بڑھیا کچھ دیر تو خاموش رہی۔ پھر اس نے لڑکے کا ہاتھ دوبارہ اپنے ہاتھ میں لیا اور اس کی ہتھیلیوں کو غور سے دیکھنے لگی۔

"میں تم سے ابھی کوئی فیس نہیں لوں گی۔ اگر تمہیں خزانہ مل گیا تو تم مجھے اس کا دسواں حصہ دو گے۔"

لڑکا خوشی سے چیخنے لگا۔ خزانہ ملنے کی خوشی نہیں بلکہ بڑھیا کی فیس ادا نہ کرنے کی خوشی۔

"ٹھیک ہے مجھے خواب کی تعبیر بتاؤ۔" اس نے کہا۔

"پہلے تم قسم اٹھاؤ کہ جب تمہیں خزانہ مل گیا تم مجھے اس کا دسواں حصہ دو گے۔" لڑکے نے بلا جھجک قسم کھائی کہ وہ اپنے وعدے پر قائم رہے گا۔

"یہ خواب اگرچہ خدا کا تم سے کلام ہے ہماری دنیاوی زبان میں۔ لیکن اس کی تعبیر کرنا مشکل ہے اس لیے میں سمجھتی ہوں کہ میں خزانے کا دسواں حصہ لینے میں حق بجانب ہوں۔"





"تعبیر یہ ہے کہ تم اہرام مصر پر جاؤ۔ اگرچہ میں نے ان اہرام کے بارے میں اس سے قبل نہیں سنا لیکن اگر یہ تمہیں ایک بچے نے بتایا ہے تو پھر یہ حقیقت ہے۔ کیونکہ بچے جھوٹ نہیں بولتے۔ اہرام مصر پر تمہیں خزانہ ملے گا جو تمہیں دنیا کا امیر ترین آدمی بنا دے گا۔"

لڑکے کو پہلے تو حیرانی ہوئی اور پھر جھنجھلاہٹ ہونے لگی۔ اسے صرف یہ جاننے کے لیے بڑھیا سے بات کرنے کی کیا ضرورت تھی یہ تو وہ پہلے بھی جانتا تھا۔ اس کی جھنجھلاہٹ اس خیال سے دور ہو گئی کہ بہر حال اسے کوئی فیس ادا نہیں کرنا تھی۔

"مجھے اس کے لیے اپنا وقت برباد کرنے کی کوئی ضرورت نہیں ہے۔" اس نے بڑھیا کو جواب دیا۔

"میں نے تم سے کہا تھا کہ تمہارا خواب بہت مشکل ہے۔ کچھ بہت ہی سادہ چیزیں سب سے مشکل ہوتی ہیں۔ صرف زیرک انسان ہی انہیں سمجھنے کی اہلیت رکھتے ہیں۔ اور مجھے قطعاً یہ دعویٰ نہیں ہے کہ میں بہت زیرک ہوں اس لیے مجھے ہاتھ کی تحریر پڑھنا بھی سیکھنا پڑی تا کہ میں اس سے مدد لے سکوں۔"

"ٹھیک ہے میں اہرام مصر تک کیسے پہنچ سکتا ہوں؟" لڑکے نے استفسار کیا۔

"میں صرف خوابوں کی تعبیر بتا سکتی ہوں۔ میں اس تعبیر کو ڈھونڈنے کے لیے تمہاری کوئی مدد نہیں کر سکتی اگر میں خوابوں کی تعبیر ڈھونڈ سکتی تو کسمپرسی کی زندگی کیوں گزار رہی ہوتی؟"

"اگر میں اہرام مصر تک کبھی پہنچ ہی نہ سکوں تو پھر کیا ہوگا؟"

"تو پھر مجھے میری فیس نہیں ملے گی۔ اور ایسا پہلی دفعہ بھی نہیں ہوگا۔"

خاتون نے اس کے ساتھ ہی لڑکے کو جانے کو کہا کیونکہ اس نے پہلے ہی خاتون کا بہت زیادہ وقت لے لیا تھا۔

لڑکے کو بہت ہی مایوسی ہوئی۔ اس نے سوچا کہ وہ پھر کبھی خوابوں پر یقین نہیں کرے گا۔ اسے یاد آیا کہ طریفہ میں اس نے بہت سے اور کام بھی کرنے تھے۔ وہ جلدی سے بازار کی طرف روانہ ہوا جہاں اس نے پہلے تو پیٹ بھر کر کھانا کھایا۔ پھر اپنی پرانی کتاب کے بدلے میں ایک موٹی سی کتاب لی۔ ان تمام کاموں سے فارغ ہو کر وہ ایک بنچ پر بیٹھ گیا۔ تا کہ بازار کا نظارہ کر سکے۔

دھوپ میں ابھی تک شدت تھی۔ اس نے اپنی بوتل نکالی اور پانی پینے لگا۔ اس نے بھیڑیں شہر کے صدر دروازے کے قریب ایک دوست کے باڑے میں بند کر دی تھیں۔ شہر میں اور بھی کئی لوگ اس کے واقف تھے۔ سیاحت کے بہت سارے فوائد کا یہ صرف ایک پہلو تھا کہ پورے سپین میں کافی لوگ ایسے تھے جنہیں وہ دوست کہہ سکتا تھا۔ وہ ہمیشہ نئے دوست بناتا تھا مگر ان کے ساتھ ہمیشہ رہنے سے گریز کرتا تھا۔ اس کے خیال میں جب آپ کسی کے ساتھ زیادہ دیر تک رہیں۔ تو آپ اس شخص کی زندگی کا حصہ بن جاتے ہیں اور ان کی چھوٹی چھوٹی خامیاں آپ کو بہت بڑی محسوس ہوتی ہیں۔ پھر آپ چاہتے ہیں کہ وہ شخص اپنے آپ کو بدل لے۔ اگر کوئی شخص اس طرح کا نہیں ہے جیسا کہ آپ چاہتے ہیں تو آپ کو جھنجھلاہٹ ہونے لگتی ہے۔ ہر شخص کو اس بات کا تو صحیح ادراک ہے کہ دوسروں کا رویہ کیسا ہونا چاہیے۔ مگر وہ اس احساس سے
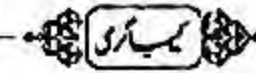
عاری ہیں کہ خود ان کو کس طرح سے برتاؤ کرنا چاہیے۔

اس کا ارادہ تھا کہ شام کے وقت جب دھوپ کی شدت کم ہو جائے گی تو وہ اپنے ریوڑ کو چراگاہ میں لے جائے گا۔ اس نے کتاب نکالی اور پڑھنا شروع کی۔ کتاب کے پہلے صفحے پر تدفین کا منظر تھا۔ لوگوں کے نام بہت مشکل تھے۔ اس نے سوچا کہ اگر کبھی اس نے کتاب لکھی تو اس میں کم سے کم کردار رکھے گا تاکہ پڑھنے والے کو بہت سے نام یاد رکھنے کی دقت نہ کرنی پڑے۔

آخرکار جب وہ کتاب پر تھوڑی توجہ دینے میں کامیاب ہو گیا تو کتاب اسے دلچسپ لگی۔ تدفین کے دن برف باری ہو رہی تھی۔ گرم دھوپ میں سردی کا احساس پر لطف لگا۔ ابھی اس نے پڑھنا شروع ہی کیا تھا کہ ایک بوڑھا آدمی اس کے قریب آ کر بیٹھ گیا۔ صاف لگتا تھا کہ بوڑھا اس سے بات چیت شروع کرنا چاہتا تھا۔

"یہ لوگ کیا کر رہے ہیں؟" بوڑھے نے ایک عمارت کی طرف اشارے کرتے ہوئے لڑکے سے پوچھا۔

"کام کر رہے ہیں"۔ اس نے خشک لہجے میں جواب دیا تاکہ بوڑھے کو معلوم ہو جائے کہ اسے بوڑھے سے بات کرنے کی نسبت کتاب پڑھنے میں زیادہ دلچسپی تھی۔ اصل میں وہ سوچ رہا تھا کہ اس دفعہ وہ تاجر کی بیٹی کے سامنے بھیڑ کی اُون خود اتارے گا تاکہ وہ اس پر ثابت کر سکے کہ وہ مشکل سے مشکل کام کرنے کے قابل ہے۔ وہ خود کئی بار ایسا کرتے ہوئے چشم تصور میں دیکھ چکا تھا۔ جب اس نے تاجر کی بیٹی کو یہ بتایا کہ بھیڑ کی اُون پیچھے سے آگے کی طرف اتاری جاتی ہے تو لڑکی بہت محظوظ ہوئی اور یہ اسے بہت اچھا لگا۔

اس نے چند کہانیاں بھی کوشش کر کے یاد کی تھیں۔ یہ کہانیاں وہ اس لڑکی کو سنانا چاہتا تھا۔ یہ کہانیاں اس نے مختلف کتابوں میں پڑھی تھیں لیکن وہ ان کہانیوں کو اپنے تجربے کے نچوڑ کے طور پر پیش کرنا چاہتا تھا۔ اسے یقین تھا کہ تاجر کی بیٹی کو حقیقت کبھی بھی معلوم نہ ہو سکے گی کیونکہ وہ پڑھنا نہیں جانتی تھی۔ بوڑھا بھی اپنی ضد کا پکا تھا۔

"کیا میں آپ کی بوتل سے تھوڑا سا پانی لے سکتا ہوں۔" بوڑھے نے کہا۔

لڑکے نے اپنی بوتل فوراً بوڑھے کے حوالے کر دی۔ اسے امید تھی کہ اب بوڑھا اسے تنہا چھوڑ دے گا۔

"کون سی کتاب پڑھ رہے ہو؟" بوڑھا اب بھی اپنی ضد کا پکا نظر آتا تھا۔

لڑکے نے سوچا کہ بوڑھے سے پیچھا چھڑانے کا واحد طریقہ یہ ہے کہ اس بنچ سے اٹھ کر چلا جائے لیکن یہ اسے تہذیب کے خلاف لگا۔ اس کے ماں باپ نے اسے تمیز سکھائی تھی اور بڑوں کا ادب کرنے کی تلقین کی تھی۔ اس نے کتاب بوڑھے کے سامنے کر دی۔ اول تو خود اسے کتاب کے نام کا تلفظ صحیح طرح سے معلوم نہیں تھا اور پھر اس کا خیال تھا کہ اگر بوڑھے کو پڑھنا نہیں آتا تو وہ خود شرمندگی سے بنچ بدل لے گا۔

"ہوں....." بوڑھا کتاب کا بغور جائزہ کرتے ہوئے بولا: "یہ اچھی کتاب ہے مگر بہت ہی خشک۔" لڑکے کو جھٹکا لگا۔ بوڑھا نہ صرف پڑھنا جانتا تھا بلکہ اس سے قبل یہ کتاب پڑھ بھی چکا تھا۔ اگر کتاب واقعی خشک تھی جیسا کہ بوڑھے کا خیال تھا تو
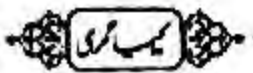




پھر اس کے پاس ابھی بھی وقت تھا کہ اسے دکا ندار سے تبدیل کر لے۔

"اور اس کا موضوع بھی وہی ہے جو کہ دنیا کی تقریباً تمام کتابوں کا ہے"۔ بوڑھے نے اپنی بات جاری رکھتے ہوئے کہا: "یہ کتاب اس بات کی وضاحت کرتی ہے کہ انسان اپنی منزل کا انتخاب کیسے کرے؟ اور اس کا آغاز اس بات سے ہوتا ہے کہ ہر انسان دنیا کے سب سے بڑے جھوٹ پر یقین رکھتا ہے"۔

"اور دنیا کا سب سے بڑا جھوٹ کیا ہے؟" لڑکے نے استفسار کیا۔ وہ واقعی بوڑھے کے مطالعے کی وسعت سے متاثر ہوا۔ "دنیا کا سب سے بڑا جھوٹ یہ ہے کہ ہر شخص کی زندگی میں ایک لمحہ ایسا آتا ہے جب وہ اپنے حالات پر قابو کھو بیٹھتا ہے اور اس کی زندگی پر قدرت کا کنٹرول ہوتا ہے۔"

"میرے ساتھ ایسا کبھی بھی نہیں ہوا" لڑکے نے جواب دیا۔

"بہت خوب..... ایسا اس لیے ہے کہ تم سیاحت کے شوقین ہو۔"

"اسے تو میرے خیالات تک بھی رسائی ہے"۔ لڑکے نے سوچا۔

بوڑھا کتاب کی ورق گردانی میں مصروف تھا اور کتاب واپس کرنے کا اس کا کوئی ارادہ معلوم نہیں ہوتا تھا۔ لڑکے نے پہلی بار بوڑھے کو غور سے دیکھا۔ اس کا لباس عجیب وضع کا تھا۔ لباس سے وہ عربی لگتا تھا۔ لیکن یہ بات کچھ حیران کن بھی نہیں تھی کیونکہ طریفہ، افریقہ سے صرف چند گھنٹوں کے فاصلے پر تھا اور شہر میں اکثر عرب نظر آتے تھے۔

"آپ کا تعلق کس علاقے سے ہے؟" اس نے بوڑھے سے پوچھا۔

"بہت سارے علاقوں سے۔" بوڑھے نے جواب دیا۔

"کسی شخص کا تعلق بیک وقت بہت سارے علاقوں سے نہیں ہو سکتا۔" لڑکا بولا

"میں خود چرواہا ہوں۔ اس حوالے سے میں بہت سے علاقوں تک گیا ہوں مگر میرا تعلق صرف ایک علاقے سے ہے جہاں میری پیدائش ہوئی تھی۔"

"اس لحاظ سے میرا تعلق سلم سے ہے" بوڑھا بولا۔ لڑکے نے "سلم" کے بارے میں اس سے پہلے کبھی نہیں سنا تھا۔ مگر سوال کرنے سے اس لیے گریز کیا کہ اس طرح بوڑھا اسے کم علم سمجھے گا۔

اس نے بازار سے گزرتے ہوئے لوگوں کی طرف دیکھا سب لوگ بہت مصروف نظر آتے تھے۔ "تو سلم آج کل کیسا ہے؟" اس نے اس خیال سے سوال کیا کہ شاید اس طرح اسے سلم کے بارے میں کچھ معلوم ہو سکے۔

"سلم بالکل ویسا ہی ہے جیسا کہ ہمیشہ سے تھا؟" بوڑھے نے جواب دیا۔

اسے بوڑھے کے جواب سے مایوسی ہوئی، کوئی اشارہ نہیں مل رہا تھا کہ سلم کہاں ہے۔ یہ تو اسے معلوم تھا کہ سلم۔ اندلس کے گرد و نواح میں نہیں تھا۔ اگر ہوتا تو اس نے سلم کا ذکر ضرور سنا ہوتا۔ "اور آپ سلم میں کیا کرتے ہیں؟" اس نے ہمت نہ ہاری۔

"میں سلم میں کیا کرتا ہوں؟" بوڑھا بولا۔

"میں سلم کا بادشاہ ہوں۔" لوگ پتہ نہیں کیوں عجیب و غریب باتیں کرتے ہیں۔ لڑکے نے سوچا۔ اس سے تو بھیڑوں کا ساتھ اچھا ہے وہ کچھ بولتی تو نہیں ہیں۔ اور اس سے بھی اچھا ہے کہ انسان تنہائی میں کتاب کا مطالعہ کرے۔

اگر آپ لوگوں کی طرف متوجہ ہوں تو وہ ناقابل یقین قصے کہانیاں سناتے ہیں اور ان سے گفتگو کریں تو ایسی عجیب و غریب باتیں کریں گے کہ آپ کے لیے گفتگو جاری رکھنا مشکل ہو جائے۔

"میرا نام ملکی زیدک ہے۔" بوڑھے نے سکوت کو توڑا۔ "تمہارے پاس کتنی بھیڑیں ہیں؟"

"کافی ہیں!" لڑکے نے جواب دیا۔

اس نے محسوس کیا کہ بوڑھا اس کی زندگی کے بارے میں جاننے سے دلچسپی رکھتا تھا۔

"پھر تو ایک مسئلہ ہے۔ اگر تمہارا خیال ہے کہ تمہارے پاس کافی بھیڑیں ہیں تب تو میں تمہاری مدد نہیں کر سکتا۔" بوڑھا بولا۔

لڑکے کو جھنجلاہٹ ہو رہی تھی۔ اسے یہ سمجھ نہیں آ رہا تھا کہ اس نے بوڑھے سے کب مدد مانگی تھی۔ بلکہ بوڑھے نے اس سے پانی مانگا تھا اور اس سے گفتگو کرنے پر بھی مصر تھا۔

"میری کتاب واپس کر دیں۔" لڑکے نے کہا۔ "میں نے اپنی بھیڑوں کو اکٹھا کرنا اور بہت دور جانا ہے۔"

"مجھے اپنے گلے کا دسواں حصہ دے دو تو میں تمہیں چھپے ہوئے خزانے کے بارے میں بتاؤں گا۔" بوڑھا اس کی بات کو نظر انداز کرتے ہوئے بولا۔

لڑکے کو یک دم اپنا خواب یاد آ گیا۔

اس کو یک دم یہ خیال گزرا کہ یہ بوڑھا اس بڑھیا کا خاوند تھا جس سے وہ اپنے خواب کی تعبیر پوچھنے گیا تھا۔ بوڑھی خاتون نے تو اس سے کچھ نہیں لیا تھا مگر یہ بوڑھا اس سے بہت کچھ لینے کا ارادہ رکھتا تھا۔ بدلے میں اس چیز کے بارے میں معلومات دینے کا دعویٰ کر رہا تھا جس کا شائد وجود بھی نہیں تھا۔ بوڑھا بھی شائد خانہ بدوش ہی تھا۔ اس سے قبل کہ لڑکا کچھ بولتا۔ بوڑھے نے چھڑی اٹھائی اور ریت پر کچھ لکھنے لگا۔ بوڑھے کی چھاتی سے روشنی کا ایسا شعلہ سا اٹھا جس سے لڑکے کی آنکھیں تھوڑی دیر کے لیے چندھیا گئیں۔

بوڑھے نے جھٹ سے اپنی ٹوپی چھاتی کے سامنے کر لی۔ اس نے یقیناً کچھ چھپانے کی کوشش کی تھی۔ جب اس کی بینائی لوٹی تو لڑکے نے دیکھا کہ بوڑھے نے ریت پر اس کے والدین اور اس کی درسگاہ کا نام لکھا تھا۔ بوڑھے نے تاجر کی بیٹی کا نام بھی ریت پر لکھا تھا جبکہ لڑکا خود بھی ابھی تک اس لڑکی کے نام سے واقف نہیں تھا۔





"میں سلم کا بادشاہ ہوں۔" بوڑھا بولا۔

"کوئی بادشاہ کسی چرواہے سے بات کیوں کرے گا؟" لڑکے نے شرمندگی سے جواب دیا۔

"اس کی بہت سی وجوہات ہو سکتی ہیں۔ اور سب سے اہم وجہ یہ ہے کہ تم نے اپنی منزل جان لی ہے۔"

لڑکے کو کچھ معلوم نہیں تھا کہ کسی انسان کی منزل کیا ہو سکتی ہے۔

"منزل وہ خواہش ہے جس کے پورا ہونے کی کوئی ہمیشہ دعا کرتا ہے ہر شخص جانتا ہے کہ اس کی منزل کیا ہے۔ جب انسان جوان ہوتا ہے تو سب کچھ واضح اور قابل حصول نظر آتا ہے۔ انسان جوانی میں خواب دیکھنے سے نہیں ڈرتا۔ نہ ان کی تعبیر حاصل کرنے کے لیے قیمت دینے سے گھبراتا ہے چاہے یہ قیمت کچھ بھی ہو۔ لیکن جوں جوں وقت گزرتا ہے کچھ پر اسرار قوتیں اسے یقین دلاتی ہیں کہ اس کے لیے اپنی منزل تک پہنچنا ناممکن ہے۔" بوڑھے کی باتیں لڑکے کے سر کے اوپر سے گزر گئیں۔

لیکن اسے اس بات سے ضرور دلچسپی تھی کہ وہ معلوم کرے کہ پر اسرار طاقت کیا چیز ہے۔ اس طرح وہ تاجر کی بیٹی کو متاثر کر سکے گا۔

"یہ وہ طاقت ہے جو بظاہر تو منفی نظر آتی ہے مگر آپ کو احساس دلاتی ہے کہ آپ کی منزل دراصل ہے کیا۔ یہ انسان کی روح کو بیدار کرتی ہے اس میں خواہش اجاگر کرتی ہے۔ اس کائنات کا ایک سب سے بڑا سچ ہے اور وہ یہ ہے کہ انسان جو کوئی بھی ہو اور کچھ بھی کرے لیکن جب وہ کچھ کرنے کا ارادہ کرتا ہے تو وہ ہو کر رہتا ہے۔ اور یہ اس لیے ہے کہ خواہش اس کائنات کی روح ہے۔ اور یہی خواہش روئے زمین پر موجود ہر انسان کا مقصد حیات بھی ہے۔ چاہے وہ خواہش صرف سیاحت ہی کی کیوں نہ ہو یا پھر تاجر کی بیٹی سے شادی کی، یا خزانے کی تلاش۔ کائنات کی روح کو انسان کی خوشی سے تقویت ملتی ہے اور اس کے غم، رشک اور حسد سے بھی۔ صرف اپنی منزل کا احساس فرد کے ذمے ہے۔ اور جب انسان کچھ کرنے کا ارادہ کرتا ہے تو کائنات کی ہر شے اس کے حصول کے لیے انسان کی مدد کرتی ہے۔"

تھوڑی دیر کے لیے دونوں خاموشی سے بازار اور اس میں گزرنے والے لوگوں کو دیکھتے رہے۔

"تم نے ریوڑ کیوں بنایا ہے؟" بوڑھے نے پوچھا۔

"کیونکہ مجھے سیاحت کا شوق ہے۔" لڑکے نے جواب دیا۔

"جب وہ نوجوان تھا۔" بوڑھا بیکری والے کی طرف اشارہ کرتے ہوئے بولا جو اپنی دکان کے دروازے میں کھڑا تھا۔

"تو اسے بھی سیاحت کا شوق تھا۔ اس نے فیصلہ کیا کہ پہلے کاروبار کر کے کچھ پیسہ جمع کر لے اور پھر سیاحت کے لیے دنیا کے سفر پر روانہ ہوگا۔ اس کو یہ احساس ہی نہیں تھا کہ انسان اپنی زندگی کے ہر لمحے میں اس بات پر قدرت رکھتا ہے کہ اس

کام کو سرانجام دے، جس کا کہ وہ خواب دیکھتا ہے۔"

"اسے چاہیے تھا کہ وہ بھی چرواہا بن جاتا۔"

"اس نے اس بارے میں بھی سوچا تھا۔" بوڑھے نے جواب دیا۔ "مگر معاشرے میں دکاندار کی زیادہ عزت ہوتی ہے اور لوگ چرواہے کی نسبت دکاندار کو داماد بنانا پسند کرتے ہیں۔"

لڑکے کے دل میں ایک ٹھیس سی اٹھی۔ آخر تاجر کے قصبے میں بھی کافی دکاندار تھے۔

"پھر وقت کے ساتھ ساتھ بوڑھے نے اپنی بات کو جاری رکھتے ہوئے کہا۔ "لوگوں کے گلہ بانی اور دکانداری کے بارے میں نظریات ان کی اپنی منزل کی نسبت زیادہ اہم ہو جاتے ہیں۔"

بوڑھا کتاب کی ورق گردانی کرتے ہوئے ایک صفحے پر رک گیا اور پڑھنا شروع کر دیا۔ لڑکا کچھ انتظار کرتا رہا پھر بوڑھے سے پوچھا کہ وہ یہ سب کچھ اسے کیوں بتا رہا تھا؟

"کیونکہ تم اپنی منزل متعین کرنے کی تگ و دو کر رہے ہو اور اس بات کا خدشہ ہے کہ تم کہیں بھٹک نہ جاؤ۔"

"اور ہمیشہ ایسے ہی وقت آپ لوگوں کی رہنمائی کے لیے آتے ہیں۔"

"ہمیشہ اس طرح سے نہیں۔ کبھی میں مسئلے کی حل کی صورت میں ظاہر ہوتا ہوں، کبھی خیال بن کر اور کبھی کڑا وقت بن کر۔ میرا مقصد صرف یہ ہے کہ چیزوں کا وقوع پذیر ہونا ممکن بناؤں۔ میں اور بھی بہت کچھ کرتا ہوں مگر اکثر اوقات انسان کو اس کا احساس ہی نہیں ہوتا کہ یہ سب کچھ میری وجہ سے ممکن ہوا ہے۔"

"ایک ہفتہ قبل مجھے مجبوراً ایک کان کن کے راستے میں ایک پتھر کی صورت میں ظاہر ہونا پڑا۔" بوڑھے نے اپنی بات جاری رکھی۔

"کان کن نے ہر کام چھوڑ کر پکھراج کی تلاش شروع کی۔ وہ پانچ سال تک پکھراج تلاش کرتا رہا۔ اس دوران اس نے سینکڑوں پہاڑ کھودے اور لاکھوں پتھر توڑے۔ ایک آخری پتھر کو توڑنا باقی تھا جس میں سے اسے پکھراج مل سکتا تھا۔ اس آخری پتھر کو توڑنے سے پہلے ہی اس کی ہمت جواب دے گئی کیونکہ اس نے اپنی منزل کی تلاش میں ہر شے قربان کی تھی اس لیے اس کی مدد کرنا میرے اوپر فرض تھا۔ میں نے پتھر کا روپ دھارا اور کان کن کے راستے میں آ گرا۔ کان کن نے غصے سے اٹھا کر مجھے ایک طرف پھینکا۔ اس نے مجھے اتنی زور سے پھینکا کہ میں جس پتھر پر گرا وہ ٹوٹ گیا اور اس کے اندر سے پکھراج نکل آیا۔ یہ دنیا کا سب سے بڑا اور سب سے خوبصورت پکھراج تھا۔"

"لوگ اپنی زندگی میں بہت جلد سیکھ جاتے ہیں کہ ان کی زندگی کا کیا مقصد ہے۔" بوڑھے نے تلخی سے کہا۔ "شاید اسی لیے وہ اس کا حصول بھی جلد ترک کر دیتے ہیں۔"

"آپ خزانے کے بارے میں کچھ کہہ رہے تھے۔" لڑکے کا ذہن ابھی تک خزانے کے آس پاس بھٹک رہا تھا اسے بوڑھے کی نصیحت سے کوئی دلچسپی نہیں تھی۔





"خزانہ پانی کے بہاؤ سے آشکار ہوتا ہے اور بھی پانی ہی اسے آنکھوں سے پوشیدہ بھی کرتا ہے۔ اگر تم خزانے کے بارے میں جاننا چاہتے ہو تو تمہیں اپنے گلے کا دسواں حصہ مجھے دینا ہوگا۔"

"خزانے کے دسویں حصے کے بارے میں آپ کا کیا خیال ہے؟" بوڑھے نے مایوسی سے لڑکے کی طرف دیکھا۔

"اگر تم آغاز ہی اس چیز کے وعدے سے کرو جو تمہارے پاس ہے ہی نہیں تو تم اس کے حصول کی خواہش بھی ترک کر دو گے۔" لڑکے نے اسے بتایا کہ اس نے اس سے قبل بھی خزانے کا دسواں حصہ ایک خانہ بدوش خاتون کو دینے کا وعدہ کیا ہے۔

"خانہ بدوش اس کام میں ماہر ہوتے ہیں۔" بوڑھے نے جواب دیا۔

"بہرحال اچھی بات یہ ہے کہ تم نے یہ تو سیکھ لیا کہ ہر چیز کی ایک قیمت ہوتی ہے۔" بوڑھے نے کتاب لڑکے کو واپس کرتے ہوئے کہا۔

"کل اسی جگہ اسی وقت مجھے اپنے گلے کا دسواں حصہ لا دو اور میں تمہیں خفیہ خزانے کا پتہ بتاؤں گا۔"

اس کے ساتھ ہی بوڑھا اٹھا اور عمارت کے کونے کے پاس روپوش ہو گیا۔

لڑکا دوبارہ کتاب پڑھنے لگا۔ مگر اب اس کے لیے کتاب پر توجہ دینا مشکل ہو گیا تھا۔ اسے احساس تھا کہ بوڑھا جو کچھ کہہ رہا تھا وہی سچ تھا۔ وہ اٹھا اور بیکری کی طرف چلنے لگا تاکہ کھانے کے لیے کچھ خرید سکے۔ وہ اسی شش و پنج میں تھا کہ وہ دکاندار کو بتائے یا نہ بتائے کہ بوڑھے نے اس کے بارے میں کیا کہا تھا۔

"کبھی کبھی حالات کو اس کی ڈگر پر چھوڑ دینا ہی بہتر ہوتا ہے۔" اس نے اپنے آپ سے کہا۔

اس نے دکاندار کو کچھ نہ بتانے کا فیصلہ کیا۔ اگر وہ کچھ بتاتا تو شاید دکاندار سب کچھ چھوڑ کر دوبارہ اپنے خواب کا پیچھا کرنے لگتا جبکہ اب اس نے حالات سے سمجھوتا کر لیا تھا اور وہ دکاندار کے لیے پریشانی کا سبب نہیں بننا چاہتا تھا۔

اس نے بازار میں چلنا شروع کیا اور تھوڑی دیر بعد صدر دروازے پر پہنچ گیا۔ صدر دروازے کے ساتھ ایک عمارت کی کھڑکی کے سامنے لوگوں کی قطار لگی ہوئی تھی۔ یہ لوگ افریقہ جانے کے لیے ٹکٹ خرید رہے تھے۔ اسے معلوم تھا کہ مصر افریقہ میں ہے۔

"میں آپ کی کیا مدد کر سکتا ہوں؟" کھڑکی کے پیچھے بیٹھے ہوئے شخص نے پوچھا۔

"شاید کل مجھے آپ کی مدد کی ضرورت پڑے۔" لڑکے نے جواب دیا۔ اس نے سوچا کہ وہ صرف ایک بھیڑ بیچ کر افریقہ کا ٹکٹ خرید سکتا تھا اس خیال سے اسے جھرجھری سی آ گئی۔

"ایک اور خیالوں کی دنیا کا باسی۔" ٹکٹ کلرک نے اپنی ساتھی سے کہا۔

"اس کے پاس وسیلہ بھی نہیں ہے اور خواب افریقہ جانے کے دیکھ رہا ہے۔"

لڑکے کو اپنے ریوڑ کا خیال آیا۔ اس نے سوچا کہ اب اسے اپنے ریوڑ کے پاس جانا چاہیے۔ دو سال میں اس نے گلہ بانی کے بارے میں سب کچھ سیکھ لیا تھا۔ اس نے یہ بھی جان لیا تھا کہ بھیڑ کی اُون کیسے اتارتے ہیں۔ وہ بھیڑوں کی معمولی بیماریوں کا علاج بھی جانتا تھا۔ اسے اندلس کی بہترین چراگاہوں کے متعلق معلوم تھا اور سب سے بڑھ کر یہ کہ اسے اپنے تمام جانوروں کی قدر و قیمت کا اندازہ تھا۔

اس نے اپنے دوست کے باڑے تک پہنچنے کے لیے سب سے طویل راستے کا انتخاب کیا۔ راستے میں وہ چرچ کے پاس سے گزرا تو وہ سیڑھیوں پر چڑھ کر چرچ کے مینار پر چلا گیا یہاں سے وہ افریقہ کے ساحل کو دیکھ سکتا تھا۔ اس نے سنا تھا کہ اسی راستے سے عرب حملہ آور سپین میں داخل ہوئے تھے۔ یہاں سے وہ پورے شہر کا نظارہ کر سکتا تھا۔ اس نے وہ مارکیٹ بھی دیکھی جہاں اس کی ملاقات بوڑھے سے ہوئی تھی۔

"مجھے تمام زندگی افسوس رہے گا کہ میں بوڑھے سے کیوں ملا تھا۔" اس نے سوچا۔

وہ شہر میں اس لیے آیا تھا کہ بوڑھی خاتون سے اپنے خواب کی تعبیر معلوم کر سکے۔ نہ تو وہ خاتون اور نہ ہی وہ بوڑھا اس کے چرواہا ہونے پر متاثر ہوئے تھے۔ وہ ان لوگوں میں سے تھے جو کسی بھی چیز میں دلچسپی نہیں رکھتے تھے۔ اور نہ ہی انہیں یہ معلوم تھا کہ چرواہے اپنی بھیڑوں سے کتنا مانوس ہوتے ہیں۔ اس کو اپنے ریوڑ کی ہر بھیڑ کی خصوصیات معلوم تھیں۔ اسے معلوم تھا کہ کون سی بھیڑ لنگڑی ہے، کونسی بھیڑ چند دن بعد بچہ دینے والی ہے اور کونسی بھیڑ کاہل ہے۔ اگر اس نے ان کو چھوڑ دیا تو بھیڑوں کو بہت زیادہ بھگتنا پڑے گا۔

ہوا تیز چلنے لگی۔ وہ ہوا سے بھی واقف تھا۔ اندلس میں اس کا نام لیوانتر ہے کیونکہ یہ "لیوانت" کی جانب سے چلتی ہے۔ لیوانت، بحر اوقیانوس پر اندلس کے جنوب میں واقع ہے۔ لیوانتر کی رفتار تیز ہونے لگی۔ اس نے سوچا کہ اب وہ اپنے ریوڑ اور اپنے خزانے کے درمیان میں کھڑا تھا ان دو میں سے ایک کا انتخاب کرنا تھا۔

پھر تاجر کی بیٹی بھی تو تھی۔ مگر وہ اتنی اہم نہیں تھی جتنا کہ اس کا ریوڑ۔ کیونکہ اس لڑکی کا انحصار اس کے ریوڑ کی طرح لڑکے پر نہیں تھا۔

"اور شاید اسے تو میں یاد بھی نہ ہوں۔" اس نے اپنے آپ سے کہا۔

"اس کو تو شاید اس بات کا احساس ہی نہ ہو کہ میں اس سے کس دن ملا تھا۔ کیونکہ اس کے لیے ہر دن ایک جیسا تھا۔ اور تمام دن ایک جیسے اس لیے ہوتے ہیں کیونکہ لوگوں کو ہر دن میں ہونے والی اچھی چیزوں کا احساس نہیں ہوتا۔"

"میں نے اپنے ماں باپ کو چھوڑا، اپنے قصبے کو چھوڑا اور وہ لوگ شاید میری غیر موجودگی کے عادی بھی ہو گئے ہوں گے۔ اسی طرح بھیڑیں بھی میری غیر موجودگی کی عادی ہو جائیں گی۔" اس نے سوچا۔





لیوانتر اور تیز ہو گئی تھی۔ اس کی شدت وہ اپنے چہرے پر محسوس کر سکتا تھا۔ اسی لیوانتر کے ساتھ کبھی عرب فاتح آئے تھے اور اس کے ہی دوش پر ان لوگوں کے پسینے اور خواہوں کی خوشبو بھی آتی تھی جو اپنے اپنے خزانوں کی تلاش میں صحرا کی جانب روانہ ہوئے تھے۔ اسے ہوا کی آزادی سے حسد ہونے لگا اسے بھی اسی ہوا کی طرح آزاد ہونا چاہیے تھا۔ اب بھی شاید اسے روکنے والا کوئی نہیں تھا۔ اس کے اپنے سوا۔

اس کا ریوڑ، تاجر کی بیٹی اور اندلس کی چراگاہیں اس کی منزل کی جانب صرف ایک قدم کی حیثیت رکھتے تھے۔

دوسرے دن لڑکا بوڑھے سے ملاقات کے لیے اپنی چھ بھیڑوں کے ساتھ موجود تھا۔

"مجھے حیرت ہے کہ میرے دوست نے باقی کی بھیڑیں فوراً کیسے خرید لیں۔" اس نے بوڑھے سے کہا۔

"اس کا خیال ہے کہ ریوڑ رکھنا اس کا ہمیشہ سے خواب تھا۔" اس نے اپنی بات جاری رکھی۔

"یہ ایک نیک شگون ہے۔" بوڑھے نے جواب دیا۔ "اور یہ ہمیشہ سے ایسے ہی ہوتا آیا ہے۔"

"اس کو موافقت کا اصول کہتے ہیں۔ جب تم پہلی دفعہ تاش کے پتے کھیلو تو تمہیں اپنی جیت کا پختہ یقین ہوتا ہے۔ اسے "شروعات کی جیت" کہتے ہیں۔

"ایسا کیوں ہوتا ہے؟" لڑکے نے سوال کیا۔

"کوئی غیر مرئی طاقت ایسی ہوتی ہے جو چاہتی ہے کہ انسان کو اپنی منزل تک پہنچائے۔ یہ طاقت انسان میں جینے کی خواہش ابھارنا چاہتی ہے۔" بوڑھے نے بھیڑوں کا معائنہ شروع کیا۔ ان میں سے ایک لنگڑی تھی۔ لڑکے نے بتایا کہ اس کی لنگڑاہٹ معمولی ہے ورنہ بھیڑ بہت ذہین ہے اور سب سے زیادہ اُون بھی دیتی ہے۔"

"خزانہ کہاں ہے؟" اس نے بوڑھے سے استفسار کیا۔

"مصر میں..... اہرام کے پاس۔"

لڑکے کو حیرت ہوئی کہ بوڑھی خاتون نے بھی یہی کچھ کہا تھا مگر بدلے میں کچھ نہیں لیا تھا۔

خزانے کو ڈھونڈنے کے لیے تمہیں نشانیاں پہچاننا ہوں گی۔" بوڑھے نے کہا۔ "خدا نے ہر انسان کے لیے ایک راہ معین کی ہے، تمہیں اس راہ کو پہچاننے کے لیے صرف نشانیوں کو پہچاننا ہوگا۔"

اس سے قبل کہ وہ بوڑھے کی بات کا کوئی جواب دیتا۔ ایک تتلی اڑتی ہوئی اس کے اور بوڑھے کے درمیان سے گزری۔ اسے اپنے دادا کی بات یاد آ گئی جس نے کہا تھا کہ تتلی اچھا شگون ہے۔ اس کے علاوہ حشرات، چھپکلیاں اور چار پاؤں والے کلوور بھی۔

"ہاں بالکل یہ اچھی علامت ہیں۔ تمہارے دادا نے صحیح کہا تھا۔" بوڑھے نے اس کے ذہن کو پڑھتے ہوئے کہا۔

بوڑھے نے اپنی صدری کھولی تو لڑکا حیران رہ گیا بوڑھے نے سونے کی زرہ پہنی ہوئی تھی جس پر قیمتی پتھر جڑے ہوئے تھے۔ اسے گذشتہ روز بوڑھے کی چھاتی سے نکلنے والی خیرہ کر دینے والی روشنی یاد آ گئی۔ بوڑھا واقعی کوئی بادشاہ تھا اور
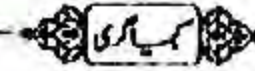
رہزنوں سے بچنے کے لیے ایسا روپ دھار رکھا تھا۔

"یہ لو" بوڑھے نے ایک کالے اور ایک سفید رنگ کا پتھر لڑکے کو دیتے ہوئے کہا۔ "ان کو "یوریم" اور "تھومیم" کہتے ہیں سفید کا مطلب ہے ہاں اور کالے کا مطلب ہے ناں۔ جب بھی تم نشانیوں کو سمجھنے میں دقت محسوس کرو تو یہ تمہاری مدد کریں گے، ہمیشہ بامقصد سوال کرنا۔ لیکن اگر تم خود سے فیصلہ کر سکو تو زیادہ بہتر ہے۔ خزانہ اہرام مصر میں ہے جیسا کہ تمہیں پہلے ہی معلوم ہے مگر میں نے تم سے کسی واضح فیصلے پر پہنچنے کی قیمت وصول کی ہے۔ میری وجہ سے تمہیں فیصلہ کرنے میں آسانی ہوگی۔"

لڑکے نے دونوں پتھر اپنے تھیلے میں ڈال لیے۔ اس نے مصمم ارادہ کیا کہ وہ اپنے فیصلے خود کرے گا۔

"یہ مت بھولو کہ تمہارا سامنا جس بھی چیز سے ہو گا وہ صرف اکیلی ہے اور نشانیوں کو سمجھنا نہ بھولنا اور سب سے بڑھ کر اپنی منزل کو کبھی نہ چھوڑنا۔"

"آخر میں میں تمہیں ایک کہانی سناؤں گا۔ ایک دکاندار نے اپنے بیٹے کو دنیا کے سب سے بڑے عالم کے پاس بھیجا تاکہ وہ ابدی خوشی کا راز سیکھ سکے۔ لڑکا صحرا میں چالیس دن چلنے کے بعد پہاڑ پر واقع خوبصورت قلعہ پر پہنچا جہاں وہ عالم رہتا تھا۔ قلعے میں داخل ہوا تو لڑکے نے دیکھا کہ ہال میں چہل پہل تھی، تاجر آ جا رہے تھے اور ساز ندے ساز بجا رہے تھے۔ اور ایک کونے میں میز دنیا کے سب لذیذ کھانوں سے بھرا ہوا تھا۔

عالم سب لوگوں کی بات باری باری سن رہا تھا۔ لڑکے کو دو گھنٹے کے انتظار کے بعد عالم سے بات کرنے کا موقع ملا۔ عالم نے لڑکے سے آنے کی غرض سنی اور اسے بتایا کہ وہ فی الحال مصروف تھا اور اس سے کہا کہ وہ محل کی سیر کرے اور دو گھنٹے کے بعد عالم سے دوبارہ ملے۔

"اس دوران میرا ایک کام بھی کرو۔" عالم نے لڑکے کو ایک چمچ دیتے ہوئے کہا۔ چمچ میں چند بوند تیل تھا۔ "یہ چمچ اپنے ہاتھ میں رکھو اور خیال کرنا کہ یہ تیل گرنے نہ پائے۔"

محل کی سیڑھیوں پر چڑھتے اترتے ہوئے لڑکے کی نظریں مسلسل چمچ پر لگی رہیں۔ دو گھنٹے بعد وہ عالم کے پاس دوبارہ گیا۔ "تمہیں ایرانی پردے کیسے لگے؟ اور باغ کیسا لگا جو ماہر کاریگر نے دس سال کی شبانہ روز محنت سے بنایا ہے؟" عالم نے لڑکے سے سوال کیا۔

لڑکے کو شرمندگی ہوئی۔ اس نے تو محل میں کچھ بھی نہیں دیکھا تھا اس کی تو تمام تر توجہ چمچ میں موجود تیل پر ہی رہی تھی کہ کہیں تیل نہ گر جائے۔

"تو پھر جاؤ اور دوبارہ میرے محل کو غور سے دیکھو۔ جب تک تم آدمی کا گھر نہ دیکھ لو تو تم اس پر اعتبار کیسے کر سکتے ہو؟" عالم نے لڑکے سے کہا۔
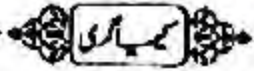




لڑکا چمچ پکڑ کر دوبارہ محل کی سیر کو نکل گیا۔ اس دفعہ وہ واقعی محل کی خوبصورتی سے متاثر ہوا۔ چھت پر مینا کاری کمال کی تھی۔ باغ اپنی مثال آپ تھا۔ غرض ہر چیز اپنی جگہ خوبصورتی کا مکمل نمونہ تھی۔ عالم کے پاس دوبارہ آنے پر اس نے محل کی خوبصورتی کی مکمل تصویر کشی کی۔

"لیکن تیل کہاں ہے؟" عالم نے پوچھا۔

لڑکے نے چمچ کو دیکھا تو وہ تیل سے خالی تھا۔

"میری صرف ایک ہی نصیحت ہے۔" عالم نے کہا۔ "خوشی کا راز یہ ہے کہ دنیا کی رونقیں جی بھر کر دیکھو مگر چمچ میں موجود تیل کو کبھی نہ بھولو۔"

چرواہا خاموش رہا۔ بوڑھے بادشاہ کی کہانی اس کی سمجھ میں آ گئی تھی کہ چرواہا چاہے سیاحت میں مصروف رہے مگر اسے اپنی بھیڑوں کو نہیں بھولنا چاہیے۔

بوڑھے نے چرواہے کو غور سے دیکھا اس کے سر پر اپنے دونوں ہاتھوں کو پھیرا اور پھر اپنی بھیڑیں لے کر روانہ ہو گیا۔

.

---
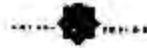
طرفہ کے بلند ترین مقام سے افریقہ کی جھلک نظر آتی ہے۔ ملچی زیدک، سلم کا بادشاہ۔ قلعے کی فصیل پر بیٹھا ہوا تھا وہ لیو اختر کو اپنے چہرے پر محسوس کر سکتا تھا۔ بھیڑیں قریب ہی چر رہی تھیں انہیں مالک کی تبدیلی کا کوئی غم نہیں تھا آخر انہیں صرف چارہ اور پانی ہی تو درکار تھا۔

ملچی زیدک نے سمندر میں ایک چھوٹے جہاز کو افریقہ کی طرف رواں دواں دیکھا۔ وہ اب اس چرواہے کو دوبارہ کبھی نہیں دیکھ سکے گا۔ جیسا کہ وہ ابراہام کو بھی دوبارہ نہیں دیکھ سکا تھا۔ اس سے بھی اس نے دسواں حصہ وصول کیا تھا۔ دیوتاؤں کی کوئی خواہشات نہیں ہوتیں کیونکہ ان کی کوئی منزل نہیں ہوتی۔

سلم کے بادشاہ کی شدید خواہش تھی کہ وہ چرواہا ضرور کامیاب ہو۔ اسے اس بات کا رنج ضرور تھا کہ چرواہا بہت جلد اس کا نام بھول جائے گا۔

"مجھے چاہیے تھا کہ اس کے سامنے اپنا نام بار بار دہراتا تاکہ چرواہا میرا نام یاد رکھ سکتا۔"

"اے خدا مجھے معلوم ہے یہ سب کچھ فنا ہونے والا ہے۔ لیکن ایک بوڑھا بادشاہ فخر کے چند لمحات چاہتا ہے۔" اس نے آسمان کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔

---

اسے بہت ہی عجیب لگا کہ طنجہ کے تمام قہوہ خانے ایک دوسرے سے بے حد مماثلت رکھتے تھے۔ کچھ لوگ ایک طویل پائپ سے کش لگاتے تھے اور پھر اسے دوسرے آدمی کو تھما دیتے تھے۔ بعد میں اسے معلوم ہوا کہ اس پائپ کا نام حقہ ہے۔ لوگ ہاتھوں میں ہاتھ ڈال کر بازاروں میں گھوم رہے تھے۔ عورتوں کے چہروں پر نقاب تھے۔

وقفے وقفے کے بعد مذہبی رہنما ایک مینار پر چڑھ کر زور زور سے کچھ پکارتا تھا جسے سن کر لوگ بار بار جھکتے تھے اور اپنا ماتھا زمین پر ٹیکتے تھے۔

"غیر مسیحیوں کی عبادت۔" اس نے سوچا۔

یہ اس نے بچپن میں مدرسے میں پڑھا تھا۔ سینٹ سینیا گو اپنے سفید گھوڑے پر سوار بے نیام تلوار لیے اسے ہمیشہ بہت مسحور کن لگتا تھا۔ یہ سوچ کر وہ اداس ہو گیا اور تنہائی محسوس کرنے لگا۔

اسے معلوم تھا کہ خزانے تک پہنچا کیسے جائے۔ اس کی جیب میں اچھی خاصی رقم تھی جو اس نے اپنی بھیڑوں کو بیچ کر حاصل کی تھی اور اسے یہ بھی معلوم تھا کہ پیسے میں ایک جادو ہوتا ہے جو ہر کام کو ممکن بنا دیتا ہے۔ اور بہت جلد وہ اہرام کے پاس ہو گا۔ اسے یقین تھا کہ ایک بوڑھا آدمی جس نے سونے کی زرہ پہن رکھی تھی صرف چند بھیڑوں کے لیے جھوٹ نہیں بول سکتا۔ بوڑھے نے نشانیوں کا ذکر کیا تھا اور آبنائے عبور کرتے ہوئے وہ نشانیوں کے بارے میں سوچتا رہا تھا۔

اسے معلوم تھا کہ بوڑھا کیا کہہ رہا ہے۔ اندلس کے میدانوں سے گزرتے ہوئے اسے ہمیشہ ادراک ہو جاتا تھا کہ اسے کون سا راستہ اختیار کرنا چاہیے۔ اپنے مشاہدے سے اس نے سیکھا تھا ایک خاص قسم کی جڑی بوٹی اس بات کی علامت تھی کہ پانی نزدیک ہے، اور ایک خاص قسم کے پرندے کی موجودگی ارد گرد سانپ کی موجودگی کی علامت تھی۔ یہ سب اس نے اپنی بھیڑوں کی محبت میں سیکھا تھا۔

اگر خدا بھیڑوں کو راستہ بتا سکتا ہے تو پھر انسان کو کس طرح بھٹکنے کے لیے چھوڑ دے گا۔ اس خیال سے اسے طمانیت محسوس ہوئی اور قہوے کی کڑواہٹ بھی کم ہو گئی۔

"تم کون ہو؟" کسی نے ہسپانوی زبان میں اس سے پوچھا۔ لڑکے کو اطمینان ہوا۔ وہ ابھی نشانیوں کے بارے میں سوچ رہا تھا۔ اور پہلی نشانی ظہور پذیر ہو گئی تھی۔

"تم ہسپانوی کیسے بول لیتے ہو؟" اس نے سوال کرنے والے سے الٹا سوال کیا۔

نو وارد مغربی لباس میں ملبوس ایک نوجوان تھا۔ لیکن اس کی رنگت اس کے مقامی ہونے کی چغلی کھا رہی تھی۔ وہ چرواہے کی عمر اور قد بت کا تھا۔





"یہاں ہر کوئی ہسپانوی بول سکتا ہے۔ ہم سپین سے صرف دو گھنٹے کی مسافت پر ہیں۔" نو وارد نے جواب دیا۔

"بہتر! مجھے اپنی خدمت کا موقع دو اور میرے لیے بھی ایک گلاس شراب منگوا دو۔ مجھے یہ کڑوا قہوہ بالکل اچھا نہیں لگا۔" اس نے نو وارد سے کہا۔

"اس ملک میں شراب نہیں مل سکتی۔ ہمارے مذہب میں اس کی ممانعت ہے۔" نو وارد نے جواب دیا۔

لڑکے نے اسے بتایا کہ اسے اہرام مصر جانا ہے اس نے پہلے تو نو وارد کو خزانے کے بارے میں بتانے کا ارادہ کیا مگر پھر کچھ سوچ کر خاموش ہو گیا۔ اگر وہ ایسا کرتا تو اس بات کا قوی امکان تھا کہ نو وارد عرب اس سے حصہ مانگتا اور اسے بوڑھے کی بات یاد تھی کہ کبھی اس چیز کا وعدہ نہ کرے جو ابھی اس کی ملکیت میں نہیں ہے۔ "اگر تم اہرام مصر تک میری رہنمائی کرو تو میں تمہیں اس کا معاوضہ دوں گا۔" اس نے نوجوان عرب سے کہا۔

"کیا تمہیں کچھ اندازہ ہے کہ وہاں تک پہنچنا کتنا مشکل ہے؟" نو وارد نے استفسار کیا۔ اس نے دیکھا کہ قہوہ خانے کا مالک ان دونوں کی گفتگو غور سے سن رہا تھا۔ دکان دار کا اس طرح دیکھنا اسے برا لگا مگر اسے ایک رہنما مل گیا تھا جسے وہ کسی بھی قیمت پر کھونا نہیں چاہتا تھا۔

"اہرام مصر تک پہنچنے کے لیے صحرا عبور کرنا پڑے گا۔ اور اسے عبور کرنے کے لیے بہت زیادہ رقم درکار ہے۔ پہلے مجھے معلوم ہونا چاہیے کہ تمہارے پاس رقم ہے بھی سہی یا نہیں۔"

اسے یہ سب عجیب لگا مگر اسے بوڑھے کی بات پر اعتماد تھا۔ اس نے کہا تھا:

"جب تم کچھ کرنے کا ارادہ کر لو تو کائنات کی ہر شے اسے ممکن بنانے پر تل جاتی ہے۔"

اس نے اپنی تمام رقم نکالی اور نو وارد کے سامنے رکھ دی۔ قہوہ خانے کا مالک بھی یہ سب دیکھ رہا تھا۔ اس نے عربی میں نو وارد سے کچھ کہا۔ قہوہ خانے کا مالک کچھ پریشان لگ رہا تھا۔

"آؤ یہاں سے چلیں یہ چاہتا ہے کہ ہم چلے جائیں۔"

جب وہ قہوے کا بل دینے کے لیے گیا تو قہوہ خانے کے مالک نے اسے بازو سے پکڑ لیا اور عربی میں زور زور سے کچھ بولنے لگا۔ لڑکا مضبوط ڈیل ڈول کا مالک تھا۔ پہلے تو اس نے سوچا کہ اس بدتمیزی کا منہ توڑ جواب دے مگر یہ سوچ کر چپ رہا کہ وہ ایک غیر ملک میں تھا۔ عربی نے قہوہ خانے کے مالک کو دھکا دے کر اسے چھڑا لیا۔

"یہ تمہاری رقم ہتھیانا چاہتا ہے۔" عربی نے کہا۔ "طنجہ باقی افریقہ سے مختلف ہے۔ یہ ایک بندرگاہ ہے اور ہر بندرگاہ پر لٹیرے اور رہزن کثرت سے پائے جاتے ہیں۔"

لڑکے کو اپنے نئے ساتھی پر اعتبار تھا۔ آخر اس نے مشکل وقت میں اس کا ساتھ دیا تھا۔ عربی رقم گننے لگا۔

"ہم اہرام مصر کے لیے کل روانہ ہوں گے مگر اس کے لیے ہمیں پہلے دو اونٹ لینے ہوں گے۔"

دونوں نے تانجیر کی تنگ گلیوں میں چلنا شروع کیا۔ بازار کے دونوں طرف سٹال لگے ہوئے تھے۔ وہ چلتے چلتے چوراہے پر پہنچ گئے۔ یہاں پر بہت زیادہ رش تھا۔ ہر کوئی خرید وفروخت میں مصروف تھا۔ کوئی سبزی خرید رہا تھا تو کوئی خنجر کا بھاؤ تاؤ کر رہا تھا۔ کسی طرف قالین فروخت کرنے کے لیے رکھے تھے تو اس کے برابر تمباکو۔

لڑکے کی نظر مسلسل عربی پر تھی، آخر اس کی پوری جمع پونجی اس کے پاس تھی۔ ایک بار تو اس نے سوچا کہ وہ اس عربی سے اپنی رقم واپس لے لے مگر پھر یہ سوچ کر خاموش ہو گیا کہ ایسا کرنا ایک غیر دوستانہ عمل ہوگا۔

"مجھے مسلسل اس پر نظر رکھنی چاہیے۔" اس نے اپنے آپ سے کہا۔

اسے اس بات کا اطمینان تھا کہ وہ عربی کی نسبت مضبوط ڈیل ڈول کا مالک تھا۔ اسی گہما گہمی میں اسے ایک بہت ہی خوبصورت تلوار نظر آئی۔ اس نے آج تک ایسی تلوار نہیں دیکھی تھی۔ تلوار کا میان چاندی کا بنا ہوا تھا اور دستے پر قیمتی جواہرات جڑے ہوئے تھے۔ اس نے اپنے دل میں عہد کیا کہ جب وہ خزانہ لے کر واپس آئے گا تو یہ تلوار ضرور خریدے گا۔

"ذرا اس تلوار کی قیمت تو معلوم کرو۔" اس نے عربی سے کہا۔

لیکن اسے کوئی جواب نہیں ملا۔ اس پر یک دم انکشاف ہوا کہ اس ایک لمحے میں جب وہ تلوار کی طرف متوجہ تھا، وہ اپنی تمام جمع پونجی سے محروم ہو چکا تھا۔

اس کا دل ڈوبنے لگا اور آنکھوں کے آگے اندھیرا چھا گیا۔ وہ مڑ کر دیکھنے سے گھبرا رہا تھا۔ اسے معلوم تھا کہ پیچھے کچھ بھی نہیں تھا۔ وہ تلوار کو ہی دیکھتا رہا اور ہمت جمع کرتا رہا کہ پیچھے مڑ کر دیکھ سکے۔

چاروں طرف لوگوں کا ہجوم تھا۔ لوگ آ جا رہے تھے۔ خرید وفروخت کر رہے تھے۔ غیر مانوس کھانوں کی خوشبو پھیلی ہوئی تھی مگر کہیں بھی اس کا عرب ساتھی نہیں تھا۔ اس نے اپنے آپ کو یقین دلانے کی کوشش کی کہ اس کا ساتھی صرف کچھ دیر کے لیے اس سے بچھڑ گیا ہے۔ اس نے فیصلہ کیا کہ وہ یہیں پر اس کا انتظار کرے گا۔ اسی دوران ایک شخص مینار پر چڑھا اور اونچی آواز میں کچھ پکارنے لگا۔ تمام لوگ پہلے تو جھکے اور پھر زمین پر ماتھا ٹیکنے لگے۔ اس سے فارغ ہو کر سب نے اپنی دکانیں بند کیں اور گھروں کو روانہ ہو گئے۔

سورج غروب ہو رہا تھا۔ اس نے سوچا کہ آج صبح جب سورج طلوع ہوا تو وہ ایک دوسرے براعظم پر موجود تھا۔ وہ ایک چرواہا تھا جس کے پاس ساٹھ بھیڑیں تھیں۔ اسے اپنی محبوبہ سے ملنے کی امید تھی۔ آج صبح اسے اپنے ساتھ پیش آنے والے لمحات کا علم تھا اور اب جبکہ سورج ڈوب رہا تھا وہ ایک اور براعظم پر تھا جہاں کی زبان سے وہ بے خبر تھا۔ وہ نہ تو چرواہا تھا اور نہ ہی اس کے پاس اس کا زادِ راہ تھا۔ اس کے پاس اتنی رقم بھی نہیں تھی کہ وہ گھر کو لوٹ سکے۔ یہ سب کچھ سورج طلوع ہونے سے لے کر غروب ہونے کے درمیان ہو گیا۔ وہ انتہائی رنجیدہ تھا۔ اسے یقین نہیں آ رہا تھا کہ یہ سب کچھ اتنا جلدی ہو گیا ہے۔

اس کا دل چاہا کہ وہ رو دے لیکن وہ آج تک اپنی بھیڑوں کے سامنے بھی نہیں رویا تھا۔ بازار اس وقت ویران تھا اور وہ گھر سے بہت دور تھا جہاں اسے کوئی نہیں پہچانتا تھا اس لیے وہ جی بھر کر رو دیا۔ وہ اس لیے رو دیا کہ خدا نے اس کے ساتھ





بے انصافی کی تھی" اور خدا خوابوں کی دنیا میں رہنے والوں کو ایسے ہی سزا دیتا ہے۔" اس نے سوچا۔

"جب میں چرواہا تھا تو میں خوش تھا اور میرے ساتھی بھی مجھ سے خوش ہوتے تھے۔ وہ مجھے آتا دیکھتے تھے تو میرا استقبال کرتے تھے۔ اور اب میں اداس اور تنہا ہوں۔ میرا لوگوں پر سے اعتبار اٹھ گیا ہے کیونکہ لوگوں نے مجھے دھوکا دیا ہے۔ مجھے ان سب لوگوں سے نفرت ہے جو اپنے خزانے تک پہنچنے میں کامیاب ہوئے کیونکہ میں اپنے خزانے تک نہیں پہنچ سکا۔"

اس نے اپنا تھیلا کھولا کہ شائد اس میں کچھ بچا ہو۔ تھیلے میں اس کی کتاب، جیکٹ اور دو پتھر تھے۔ وہ پتھر جو بوڑھے نے اسے دیے تھے۔ پتھروں پر جب اس کی نظر پڑی تو اسے ایک گونہ اطمینان ہوا۔ اس نے ان دو پتھروں کے عوض چھ بھیڑیں دی تھیں۔ وہ ان پتھروں کو بیچ کر واپسی کا ٹکٹ خرید سکتا تھا۔

"اب میں زیادہ احتیاط کا مظاہرہ کروں گا۔" اس نے سوچا یہ ایک ساحلی شہر ہے اور اس عربی کے بقول، ہر ساحلی شہر کے لوگ چور اور لٹیرے ہوتے ہیں۔ اب اسے احساس ہوا کہ قہوہ خانے کا مالک اتنا پریشان کیوں تھا۔ وہ اسے بتانے کی کوشش کر رہا تھا کہ اس کا نووارد دوست لٹیرا ہے۔

"میں دنیا کو اپنی آنکھ سے دیکھتا ہوں۔ دنیا کا ہر شخص مجھے اپنے جیسا سیدھا سادھا لگتا ہے حالانکہ حقیقت اس سے بالکل مختلف ہے۔"

وہ پتھروں پر انگلیاں پھیر رہا تھا۔ وہ ان کی حرارت کو محسوس کر سکتا تھا۔ اب یہی اس کا خزانہ تھا۔ ان کو چھونے سے اسے اطمینان ملا۔ پتھروں نے اسے بوڑھے کی یاد دلا دی۔ بوڑھے نے کہا تھا۔

"جب تم کچھ کرنے کا مصمم ارادہ کر لو تو کائنات کی ہر شے اس کے حصول میں تمہاری مدد میں مصروف ہو جاتی ہے۔"

وہ بوڑھے کی ذہانت کو سمجھنے کی کوشش کر رہا تھا۔ یہاں وہ ویران بازار میں تنہا بیٹھا ہوا تھا۔ وہ بالکل مفلس تھا۔ پتھر اسے یاد دلا رہے تھے کہ اس کی ملاقات ایک بادشاہ سے ہوئی تھی جو اس کے ماضی سے واقف تھا۔

"ان کا نام 'یوریم' اور 'تھومیم' ہے اور یہ تمہیں نشانیوں کو پہچاننے میں مدد دیں گے۔" لڑکے نے پتھر اپنے تھیلے میں رکھے اور ان کو آزمانے کا فیصلہ کیا۔ بوڑھے نے کہا تھا کہ اسے واضح سوال کرنا چاہیے کہ وہ کیا معلوم کرنا چاہتا ہے۔

اس نے سوال کیا "کیا بوڑھے آدمی کی دعائیں ابھی بھی میرے ساتھ ہیں؟" اس نے تھیلے میں ہاتھ ڈال کر ایک پتھر نکالا۔ جواب ہاں میں تھا۔

"کیا مجھے میرا خزانہ مل جائے گا؟"

اس نے تھیلے میں ہاتھ ڈال کر پتھروں کو ٹٹولا۔ تو دونوں پتھر سوراخ سے نیچے گر گئے۔ لڑکے کو اب تک معلوم نہیں تھا کہ تھیلے میں کوئی سوراخ بھی ہے۔

وہ نیچے جھک کر یوریم اور تھومیم کو ڈھونڈنے لگا۔ اس کے ساتھ ہی اس کے ذہن میں ایک اور خیال آیا۔

"نشانیوں کو پہچاننا سیکھو اور ان پر عمل کرو۔" بوڑھے نے کہا تھا۔ "ایک اور نشانی" اس کے چہرے پر مسکراہٹ تھی۔ اس نے پتھروں کو اٹھایا اور تھیلے میں رکھ لیا۔

اس نے سوراخ کو رفو کرنے کا خیال ترک کر دیا۔ پتھر جب چاہیں گر سکتے تھے۔ اس نے سوچا کہ کچھ سوال ایسے ہوتے ہیں جو کہ انسان کو نہیں کرنے چاہئیں۔ اس سے خطرہ ہوتا ہے کہ وہ اپنی منزل سے بھٹک نہ جائے۔

اس نے دل میں عہد کیا کہ وہ اپنے فیصلے خود کرے گا۔ پتھروں نے اسے بتایا کہ بوڑھے آدمی کی دعائیں اب بھی اس کے ساتھ ہیں۔ اس سے اس کا خود پر اعتماد بڑھ گیا۔ اس نے اپنے اردگرد نگاہ ڈالی۔ اسے ایسے لگا کہ یہ نامانوس جگہ نہیں..... بلکہ ایک نئی جگہ تھی آخر اس نے اسی کی تو ہمیشہ خواہش کی تھی۔ اگر وہ اہرام مصر تک نہ بھی پہنچ پایا تو وہ اپنے کسی بھی جاننے والے چرواہے سے بھی زیادہ دنیا دیکھ چکا تھا۔ کاش ان کو بھی اس بات کا احساس ہو جائے کہ ان سے صرف دو گھنٹے کی مسافت پر ایک بالکل مختلف دنیا آباد ہے۔ اگرچہ اس کی یہ نئی دنیا اس وقت ایک ویران بازار تھا مگر وہ اس کا نظارہ اس وقت بھی کر چکا تھا۔ جب یہ بازار اپنی پوری گہما گہمی پر تھا۔

اس کے ساتھ ہی اسے تلوار کا خیال آیا۔ اس خیال سے اسے تکلیف ہوئی مگر اس نے اس سے خوبصورت تلوار اس سے قبل کبھی دیکھی بھی نہیں تھی۔ اسے اب فیصلہ کرنا تھا کہ وہ ایک لٹیرے کا ڈسا ہوا انسان ہے یا خزانے کی تلاش میں پھرنے والا مہم جو۔

"میں خزانے کی تلاش میں نکلنے والا مہم جو ہوں۔" اس نے خود کلامی کے انداز میں کہا۔

***

کسی نے اسے گہری نیند سے جگایا تو اسے معلوم ہوا کہ وہ بیچ بازار ہی سو گیا تھا اور اب بازار کی گہما گہمی لوٹ رہی تھی۔ اس نے اپنی بھیڑوں کے لیے اردگرد نظر دوڑائی تب اسے احساس ہوا کہ وہ ایک نئی دنیا میں ہے لیکن افسوس کی بجائے خوشی کا احساس اس پر چھایا ہوا تھا۔

اسے بھیڑوں کے لیے چارے اور پانی کی تلاش میں مارا مارا پھرنے کی ضرورت نہیں تھی۔ وہ اپنے خزانے کی تلاش میں جا سکتا تھا اس کی جیب میں پھوٹی کوڑی بھی نہیں تھی۔ مگر اس کے پاس اعتماد کی دولت تھی۔ اسے احساس ہوا کہ وہ لوگوں کے چہرے سے اندازہ کر سکتا تھا کہ وہ اپنی منزل کے قریب ہیں یا دور۔ یہ بہت ہی آسان تھا مگر اس سے قبل اس نے اس بارے میں سوچا ہی نہیں تھا۔

اس نے گزشتہ رات فیصلہ کیا تھا کہ وہ بھی اسی طرح کا مہم جو بنے گا جن کی کہانیاں اس نے کتابوں پڑھی تھیں۔ اس







نے آہستہ آہستہ بازار میں چلنا شروع کیا۔ دکاندار اپنی اپنی دکانیں سجانے میں مصروف تھے۔ وہ ایک مٹھائی والے کی دکان سجانے میں مدد کرنے لگا۔ مٹھائی والے نے مسکرا کر اس کی طرف دیکھا۔ اس کے چہرے پر بھی مسکراہٹ تھی اور طمانیت تھی۔ وہ جانتا تھا کہ زندگی کیا ہے۔ مٹھائی والے کی مسکراہٹ نے اسے بوڑھے کی یاد دلائی۔ یہ مٹھائی والا اس لیے مٹھائی نہیں بنا رہا کہ وہ کسی تاجر کی بیٹی سے شادی کر سکے بلکہ اس لیے مٹھائی بنا رہا تھا کیونکہ اسے یہ کام پسند تھا۔ اسی لیے اس کے چہرے پر طمانیت ہے اس نے سوچا۔

جب مٹھائی والے کی دکان سج گئی تو اس نے لڑکے کو کھانے کے لیے مٹھائی دی جو اس نے شکریے کے ساتھ قبول کر لی اور اپنی راہ پر گامزن ہو گیا۔

چلتے چلتے اسے احساس ہوا کہ ایک آدمی عربی بول رہا تھا جبکہ دوسرا آدمی ہسپانوی میں جواب دے رہا تھا۔ جبکہ دونوں ایک دوسرے کا مفہوم سمجھ رہے تھے۔

"اس کا مطلب ہے کہ ایک ایسی زبان ایسی بھی ہے جس کا انحصار الفاظ پر نہیں ہے۔" اس نے سوچا۔

اس بات کا تجربہ وہ اس سے قبل بھیڑوں کے ساتھ بھی کر چکا تھا۔ اور اب وہی تجربہ انسانوں کے درمیان ہوا۔ وہ ہر قدم پر ایک نئی چیز سیکھ رہا تھا۔ ان میں سے کچھ باتوں کا تجربہ وہ اس سے قبل بھی کر چکا تھا۔ مگر تب اسے اس کا ادراک نہیں تھا۔ اسے ان چیزوں کا ادراک اس لیے نہیں تھا کیونکہ وہ ان کا عادی ہو چکا تھا۔

"اگر میں یہ زبان سیکھ لوں جس کا انحصار الفاظ پر نہیں ہے تو میں پوری دنیا کو سمجھ سکتا ہوں۔"

مطمئن اور پرسکون، اس نے تانجیر کی گلیوں میں ٹہلنے کا ارادہ کیا۔ اس طرح وہ نشانیوں کا مشاہدہ کر سکتا تھا۔ مگر اس کے لیے صبر کی ضرورت تھی اور بھلا چرواہے سے زیادہ صبر کون کر سکتا ہے۔ اس نے جو کچھ بھیڑوں کے ساتھ سیکھا تھا اس کا اطلاق ایک نئی جگہ پر کیا جا سکتا تھا۔

"تمام چیزیں اصل میں ایک ہی ہیں۔" بوڑھے بادشاہ نے اسے بتایا تھا۔

***

کرسٹل فروش آج بھی اسی پریشانی کے ساتھ جاگا جو روز کا معمول تھی۔ وہ اس جگہ پر گزشتہ تیس سال سے رہ رہا تھا۔ اس کی دکان پہاڑی کی چوٹی پر تھی جہاں گاہکوں کا گزر کم و بیش ہی ہوتا تھا۔ اس کو صرف ایک کام آتا تھا۔ کرسٹل کی پہچان اور خرید و فروخت۔

اس کا کاروبار کبھی عروج پر تھا۔ اس کی دکان کی شہرت دور دور تک تھی۔ اور اس کے گاہکوں میں عرب تاجر، فرانسیسی اور برطانوی ماہرین ارضیات اور جرمن فوجی ہوتے تھے۔ جب سب کچھ بہت اچھا لگتا تھا اور وہ بہت جلد امیر ہونے کا خواب دیکھتا تھا۔

مگر وقت کے ساتھ تانجیر بھی بدل گیا۔ نزدیکی شہر 'سیوٹا' اتنی تیزی سے پھیلا کہ تانجیر کی رونقیں ماند پڑ گئیں۔ اکثر دکانداروں نے اپنے کاروبار نئے شہر میں منتقل کر لیے۔ اب گاہک پہاڑی پر واقع خال خال دکانوں میں جھانکنے سے بازار سے خریداری کرنے کو ترجیح دیتے تھے۔ لیکن کرسٹل فروش کے پاس کوئی دوسرا راستہ بھی نہیں تھا۔ اس نے اپنی زندگی کے تیس سال اسی کاروبار میں گزارے تھے اور وہ کسی دوسرے کاروبار سے بالکل ناواقف تھا۔ اور اب کاروبار بدلنا بعید از قیاس لگتا تھا۔ اس کی صبح لوگوں کو دیکھتے ہوئے گزرتی تھی، یہ سالوں سے اس کا معمول تھا اور اب تو اسے لوگوں کے گزرنے کے اوقات بھی ازبر ہو گئے تھے۔ دوپہر کے قریب ایک لڑکا اس کی دکان میں داخل ہوا۔ لباس سے وہ کسی کھاتے پیتے گھرانے کا فرد لگتا تھا مگر اس کی تجربہ کار نگاہیں کہتی تھیں کہ اس کی جیبیں خالی ہیں۔

دکان میں لگے ایک کتبے سے اندازہ ہوتا تھا کہ دکاندار ایک سے زیادہ زبانیں بول سکتا تھا۔

"میں کرسٹل صاف کرنے میں آپ کی مدد کر سکتا ہوں۔" لڑکے نے کاؤنٹر پر موجود شخص سے کہا۔

"اس حالت میں یہ شاید گاہکوں کے لیے زیادہ کشش کا باعث نہ ہوں۔"

دکاندار نے خالی خالی نظروں سے لڑکے کی طرف دیکھا "تم مجھے بدلے میں کچھ کھانے کے لیے دے دینا۔"

دکاندار اب بھی خاموش تھا۔ لگتا تھا کہ کسی فیصلہ تک پہنچنے کی کوشش کر رہا ہے۔

لڑکے نے سوچا کہ اسے اس صحرا میں جیکٹ کی فی الحال ضرورت نہیں تھی لہٰذا سے وہ کرسٹل صاف کرنے کے لیے استعمال کر سکتا تھا۔ اس نے تھیلے سے جیکٹ نکالی اور کرسٹل صاف کرنا شروع کر دیے۔ آدھے گھنٹے میں اس نے دکان میں موجود زیادہ تر کرسٹل چمکا دیا۔

ابھی اس نے کام شروع ہی کیا تھا کہ دو گاہک دکان میں داخل ہوئے اور انہوں نے کرسٹل خریدا۔ جب وہ کام سے فارغ ہوا تو دکاندار نے اسے کھانے کے لیے اپنے ساتھ چلنے کو کہا۔ انہوں نے دکان بند کی اور نزدیکی ہوٹل پر چلے گئے۔

"صرف کھانے کے لیے تمہیں یہ سب کرنے کی کیا ضرورت تھی؟" تاجر نے لڑکے سے کہا۔ "قرآن ہمیں تلقین کرتا ہے کہ ہم بھوکوں کو کھانا کھلائیں۔"





"تو پھر تم نے مجھے کام کرنے کی اجازت کیوں دی؟" لڑکے نے استفسار کیا۔

"کیونکہ کرسٹل گندا تھا اور ہم دونوں کو اپنے اپنے ذہنوں کی صفائی بھی مطلوب تھی۔" تاجر نے جواب دیا۔

جب وہ کھانے سے فارغ ہوئے تو دکاندار بولا:

"تمہارے آنے کے بعد آج میری دکان میں دو گاہک آئے یہ ایک نیک شگون ہے۔ میری خواہش ہے کہ تم میری دکان میں کام کرو۔"

"لوگ نشانیوں کا بہت زیادہ ذکر کرتے ہیں۔" لڑکے نے سوچا "لیکن شاید انہیں بھی معلوم نہیں کہ وہ کیا کہہ رہے ہیں۔"

"کیا تم میری دکان پر کام کرو گے؟" تاجر نے اس سے استفسار کیا۔

"میں آج کا پورا دن اور پوری رات تمہاری دکان پر کام کروں گا اور تمہاری دکان کی ہر ایک چیز چمکا دوں گا۔ معاوضے میں مجھے مصر جانے کے لیے زادِ راہ چاہیے۔" لڑکے نے جواب دیا۔

دکاندار بے ساختہ ہنس پڑا۔ "اگر تم میری دکان میں ایک سال بھی کام کرو اور اس کے علاوہ میں تمہیں دکان میں فروخت ہونے والی ہر چیز پر کمیشن بھی دوں تو پھر بھی مصر جانے کا زادِ راہ پورا نہیں ہو سکتا۔ مصر یہاں سے ہزاروں میل دور ہے اور درمیان میں ایک لق و دق صحرا ہے۔"

ایک لمحے کے لیے اسے ایسے لگا جیسے ہر چیز ساکن ہو گئی ہو۔

فضا میں گہرا سناٹا تھا۔

بازار سنسان تھا۔

کوئی امید نہیں۔

کوئی مہم جوئی نہیں۔

نہ بوڑھا شہنشاہ اور نہ ہی منزل کا کوئی نشان۔

نہ خزانہ اور نہ ہی اہرام مصر۔

دکاندار کی بات میں جیسے جادو کے الفاظ تھے جن کے ادا ہوتے ہی سب کچھ غائب ہو گیا ہو۔

دنیا جیسے ساکن ہو گئی ہو۔ ایسا شاید اس لیے تھا کہ وہ خود اداس تھا۔

اس نے خالی خالی نظروں سے کیفے کے دروازے سے باہر دیکھا۔ اسے لگتا تھا کہ اس کی روح ابھی پرواز کر جائے گی اور سب کچھ اسی لمحے ختم ہو جائے گا۔

دکاندار تجسس سے لڑکے کی طرف دیکھ رہا تھا۔

اس کی آنکھوں کی تمام چمک، جو اس نے صبح دیکھی تھی غائب ہو چکی تھی۔ اور وہ مایوس تھا۔

"میں تمہیں اتنا معاوضہ دے سکتا ہوں کہ تم اپنے ملک واپس جا سکو۔" دکاندار بولا۔

لڑکا خاموش تھا۔ وہ اٹھا، اپنے کپڑے ٹھیک کیے اور تھیلا اٹھایا۔ "میں کام کروں گا۔"

"مجھے اتنی رقم چاہیے کہ میں کچھ بھیڑیں خرید سکوں۔"

......❀......

لڑکے کو کرسٹل کی دکان پر کام کرتے ہوئے ایک ماہ سے زائد عرصہ بیت گیا تھا۔ یہ کام اس کی طبیعت سے مطابقت نہیں رکھتا تھا۔ دکاندار ہر وقت ٹوکتا تھا کہ وہ کرسٹل کو احتیاط سے اٹھائے کہیں کہ وہ ٹوٹ نہ جائے اور لڑکے کو یہ ٹوک جھوک اچھی نہیں لگتی تھی۔

وہ اس کام سے اس لیے چپکا ہوا تھا کہ دکاندار کا رویہ اس کے ساتھ اچھا تھا کہ وہ لڑکے کو سامان کی فروخت پر معقول کمیشن بھی دیتا تھا۔ اس نے اب تک کچھ رقم پس انداز کر لی تھی۔ اس نے اندازہ لگایا کہ اگر وہ اسی طرح کام کرتا رہا تو ایک سال میں وہ اتنی رقم جمع کر لے گا کہ وہ کچھ بھیڑیں خرید سکے۔

"ہمیں کرسٹل کے لیے ایک شوکیس بنانا چاہیے۔" اس نے دکاندار سے کہا "ہم یہ شوکیس دکان کے باہر رکھیں گے اس طرح گاہک دور سے ہی کرسٹل دیکھ کر دکان کی طرف متوجہ ہوں گے۔"

"اس سے قبل میں نے کبھی کرسٹل دکان کے باہر نہیں رکھا اس طرح اس کے ٹوٹنے کا خدشہ رہتا ہے۔" دکاندار نے جواب دیا۔

"جب میں اپنی بھیڑیں چراگاہ میں لے کر جاتا تھا تو اس بات کا خدشہ موجود رہتا تھا کہ کوئی بھیڑیا کسی بھیڑ کو اٹھا کر لے جائے۔ یا پھر کوئی بھیڑ ویرانے میں بیمار پڑ جائے اور مر جائے۔ یا اسے کوئی سانپ ڈس لے۔ لیکن دنیا اسی طرح ہی رواں دواں ہے۔"

دکاندار کوئی جواب دینے کی بجائے گاہک کی طرف متوجہ ہو گیا جو گلاس پسند کر رہا تھا آج کل اس کا کاروبار عروج پر تھا۔ ایسے لگتا تھا کہ جیسے پرانے دن لوٹ آئے ہوں جب اس کی دکان مرکز نگاہ ہوا کرتی تھی۔

"کاروبار میں بہت بہتری ہوئی ہے۔" دکاندار نے گاہک سے فارغ ہونے کے بعد لڑکے کو مخاطب کرتے ہوئے کہا۔

"میری کمائی کافی اچھی ہے اور امید ہے کہ تم بھی بہت جلد اپنا ریوڑ بنانے میں کامیاب ہو جاؤ گے اس سے زیادہ کی طلب اچھی نہیں ہے۔"

"لیکن ہمیں نشانیوں کو پہچاننا چاہیے۔" لڑکے نے بے ساختہ کہا۔





پھر اسے افسوس ہوا کہ اس نے ایسا کیوں کہا کیونکہ دکاندار تو کبھی بوڑھے بادشاہ سے ملا ہی نہیں تھا۔

"اسے مطابقت کا اصول کہتے ہیں، کیونکہ زندگی کامیابی میں تمہاری ساتھی بننا چاہتی ہے۔" بوڑھے بادشاہ نے بتایا تھا۔ دکاندار بوڑھے بادشاہ سے نہ ملنے کے باوجود لڑکے کی باتیں سمجھ سکتا تھا۔ آخر لڑکے کی اس کی دکان میں آمد بھی تو دکاندار کے لیے بذات خود ایک نیک شگون تھا۔ ہر گزرتے دن کے ساتھ اس کی آمدنی میں بہتری ہو رہی تھی۔ اسے کبھی ملال نہیں ہوا تھا کہ اس نے لڑکے کو ملازمت کیوں دی۔ وہ لڑکے کو تنخواہ کے علاوہ معقول کمیشن بھی دیتا تھا تاکہ وہ جلد اپنا ریوڑ بنا سکے۔

"تم اہرام مصر کیوں جانا چاہتے ہو؟" اس نے شوکیس کا سوال کی ٹالنے کے لیے بات کا رخ بدلتے ہوئے لڑکے سے پوچھا "کیونکہ میں نے ان کی بہت تعریف سنی ہے۔" لڑکا بولا۔ وہ دکاندار سے اپنے خواب کے متعلق کوئی ذکر نہیں کرنا چاہتا تھا۔ اور ویسے بھی اب خزانہ بھی اس کے لیے تلخ یاد سے زیادہ کچھ نہیں تھا۔ اور اسے دہرانا ایک تکلیف دہ امر تھا۔

"میرا نہیں خیال کہ کوئی عقلمند انسان صرف اہرام مصر کو دیکھنے کے لیے اتنے بڑے صحرا کو عبور کرنا پسند کرے گا۔" دکاندار نے جواب دیا "اہرام پتھروں کا ایک ڈھیر ہیں جو تم بھی اپنے گھر کے صحن میں بنا سکتے ہو۔"

"ہاں جسے سیاحت کا شوق نہ ہو وہ بالکل ایسا نہیں کر سکتا۔"

اور وہ دکان میں داخل ہونے والے گاہک کی طرف متوجہ ہو گیا۔

"مجھے تبدیلی شاید راس نہیں آتی۔" دکاندار نے اگلے روز کہا۔

"سامنے کی دکان کا مالک حسن شاید خریداری میں غلطی بھی کرے تو کاروبار کے حجم کی وجہ سے اسے کوئی قابل ذکر فرق نہیں پڑے گا۔ مگر ہمیں شاید اپنی غلطی کا خمیازہ بھگتنا پڑے گا۔" اس کی بات میں وزن تھا۔

"لیکن تم شوکیس بنانا کیوں چاہتے ہو؟" دکاندار نے اپنی بات جاری رکھتے ہوئے کہا۔

"کیونکہ میں جلد از جلد اپنا ریوڑ مکمل کرنا چاہتا ہوں۔" لڑکے نے جواب دیا۔

"جب قسمت ہمارے ساتھ ہو تو ہمیں اس کا پورا پورا فائدہ اٹھانا چاہیے شاید یہی مطابقت کا اصول ہے۔" اس نے اپنی بات جاری رکھی۔

"ہمارے نبی ﷺ نے ہماری رہنمائی کے لیے ایک کتاب اور اپنی سنت چھوڑی ہے۔" دکاندار نے خاموشی کو توڑتے ہوئے کہا۔

"اور ہمیں اپنی زندگی میں صرف پانچ ارکان کو پورا کرنا ہے۔ سب سے اول تو یہ ہے کہ ہم اللہ کی وحدانیت پر ایمان لائیں۔ پانچ وقت کی نماز پڑھیں۔ رمضان کے مہینے میں روزے رکھیں۔ غریبوں کی مدد کے لیے زکوٰۃ دیں۔" اس نے تھوڑا توقف کیا۔ لڑکا اس کی آنکھوں میں عقیدت کے آنسو دیکھ سکتا تھا جو پیغمبر کے ذکر کے ساتھ نکل آئے تھے۔ وہ ایک سچا مسلمان تھا اور اپنی زندگی اسلام کے مطابق گزارنے کی کوشش کرتا تھا۔
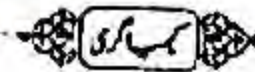
"اور پانچواں رکن کیا ہے۔" لڑکے کا تجسس بڑھ رہا تھا۔

"دو دن قبل تم نے کہا تھا کہ مجھے شاید سفر کا شوق نہیں ہے۔" دکاندار بولا

"اسلام کا پانچواں رکن حج ہے۔ ہر مسلمان پر فرض ہے کہ وہ اپنی زندگی میں ایک بار مکہ مکرمہ میں خدا کے گھر کی زیارت کرے۔"

"مکہ تو مصر سے بھی آگے ہے۔ جوانی میں صرف میری ایک خواہش تھی کہ کسی طرح اتنا پیسہ جمع کر لوں کہ اپنا کاروبار کر سکوں اس طرح میں حج کے لیے روپیہ جمع کر لیتا اور میری غیر موجودگی میں میرے خاندان کی گزراوقات کا بندوبست بھی ہو جاتا۔ جب میرا کاروبار جم گیا تو مجھے ایسا کوئی آدمی نہیں مل سکا جس کے حوالے میں اپنی دکان کر دیتا اور خود حج کے لیے روانہ ہو جاتا۔ اس دوران کئی قافلے میری دکان کے سامنے سے گزرے، ان میں سے کچھ لوگ تو مالدار تھے جو اپنے قافلے میں ملازمین کی فوج کے ساتھ حج کو جا رہے تھے۔ لیکن اکثریت غریب لوگوں کی ہوتی تھی۔ تمام عازمین حج خوش ہوتے تھے۔ ایک موچی بھی حج پر گیا تھا۔ واپسی پر اس نے بتایا کہ اس صحرا کو عبور کرنے میں اسے ایک سال لگا لیکن اسے اتنی بھی تھکن نہیں ہوئی جتنی اسے "تانجیر" کی گلیوں میں روزمرہ کے کاموں کے لیے چلنے کے دوران ہوتی تھی۔"

"تو آپ اب حج پر کیوں نہیں جاتے؟" لڑکے نے استفسار کیا۔

"یہ مکہ جانے کی خواہش ہی ہے جو مجھے زندہ رہنے کا حوصلہ دیتی ہے۔ ورنہ اس یکسانیت، ریک میں رکھے ہوئے کرسٹل کی خاموشی اور کیفے کا بدمزہ کھانا تو مجھے اب تک مار چکے ہوتے۔ اگر میرا مکہ جانے کا خواب پورا ہو گیا تو پھر زندگی میں اور کوئی امید باقی نہیں ہوگی جس کے سہارے میں زندہ رہوں گا۔" تاجر نے جواب دیا۔

"تم بھی اپنا ریوڑ بنانے اور اہرام مصر تک جانے کا خواب دیکھتے ہو۔ مگر مجھ میں اور تم میں فرق یہ ہے کہ تم اپنے خواب کو پورا کرنا چاہتے ہو اور میں صرف اپنے خواب کے سہارے زندگی گزارنا چاہتا ہوں۔ میں کئی دفعہ اپنے آپ کو چشم تصور میں صحرا عبور کرتے دیکھ چکا ہوں۔ خدا کے گھر میں حجر اسود کے سامنے اپنے آپ کو موجود پاتا ہوں اور خدا کے گھر کا طواف کرتا ہوں۔ لیکن یہ سب صرف تصورات میں ہوتا ہے۔ میں یہ بھی محسوس کرتا ہوں کہ میرے جاننے والے میرے ساتھ ہیں، کوئی بائیں کوئی آگے ہوتا ہے اور کوئی عقب میں۔ میں صرف تصورات کی دنیا میں اپنے خواب کی تعبیر دیکھتا ہوں اور اس کے سہارے زندہ رہتا ہوں۔"

اسی روز اس نے لڑکے کو شوکیس بنانے کی اجازت دے دی۔ ہر کسی کے نصیب میں خواب کی تعبیر اتنی جلد نہیں ہوتی۔

......❁......
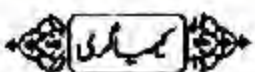




شوکیس نے واقعی گاہکوں کو متوجہ کیا اور دو ماہ کے عرصہ میں دکان کی آمدنی کئی گنا بڑھ گئی۔ لڑکے نے حساب لگایا کہ مزید چھ ماہ کام کرنے کے بعد وہ نہ صرف سپین جانے کے قابل ہو جائے گا بلکہ پہلے سے دوگنی بھیڑیں بھی خرید سکے گا۔ اس طرح ایک سال سے بھی کم عرصے میں نہ صرف اپنا ریوڑ دگنا کر چکا ہوگا بلکہ عربی پر عبور حاصل ہونے کی وجہ سے اس قابل بھی ہوگا کہ عربوں کے ساتھ کاروبار کر سکے گا۔

اس دن کے بعد اس نے "یوریم اور تھومیم" کو کبھی استعمال نہیں کیا تھا شاید اس لیے کہ اہرام مصر اب اس کے لیے اسی طرح کا خواب تھا جیسا حج پر جانا دکاندار کا ایک خواب تھا۔ اب وہ کاروبار میں لطف محسوس کرتا تھا اور چشم تصور میں اپنے آپ کو طریفہ کی بندرگاہ پر ایک فاتح کی طرح دیکھتا تھا۔

"آدمی کو معلوم ہونا چاہیے کہ وہ کیا چاہتا ہے۔" بوڑھے بادشاہ نے کہا تھا۔

لڑکے کو اب معلوم تھا کہ وہ کیا چاہتا ہے اور شب و روز اس کے حصول کے لیے مصروف تھا۔ یہ خزانے کا خواب ہی تھا جو اسے اس اجنبی زمین پر لایا جہاں اس کی ملاقات ایک لٹیرے سے ہوئی اور اسی بہانے وہ اس قابل ہوا کہ وہ اپنا ریوڑ دگنا کر سکے اور اس سب کچھ میں اس کا کچھ خرچ بھی نہیں ہوا تھا۔ اسے اپنے آپ پر فخر تھا۔ اس نے سیکھا بھی بہت کچھ تھا مثلاً کرسٹل کی پہچان، الفاظ سے بے نیاز گفتگو کا فن اور نشانیوں کی پہچان۔

"اس پہاڑی پر چڑھنے کے بعد انسان بہت تھک جاتا ہے۔ کاش اس چوٹی پر کوئی قہوہ خانہ ہوتا تو مشکل چڑھائی کے بعد گرم قہوہ تھکن مٹا دیتا۔" ایک شام لڑکے نے پہاڑی پر ایک شخص کو کہتے سنا۔

اس نے اس نشانی کو پہچان لیا اور دکاندار سے اس کا ذکر کیا۔

"ہمیں یہاں پر قہوہ خانہ کھولنا چاہیے۔"

"یہاں پر بہت سارے قہوہ خانے ہیں۔" دکاندار نے جواب دیا۔

"مگر ہم کرسٹل کی پیالیوں میں قہوہ پیش کریں گے اور یہ یقیناً گاہکوں کو متوجہ کرے گا۔ اور اس طرح ہمارے کرسٹل کی فروخت میں بھی اضافہ ہوگا۔ میں نے کہیں پڑھا تھا کہ خوبصورتی مرد کی کمزوری ہے اور کرسٹل واقعی بہت خوبصورت ہوتا ہے۔"

دکاندار نے اس وقت کوئی جواب نہیں دیا۔ شام کو نماز سے فارغ ہونے کے بعد جب اس نے دکان بند کی تو لڑکے سے کہا کہ وہ اس کے ساتھ حقہ پیے۔

"تمہیں کس چیز کی تلاش ہے؟" دکاندار نے لڑکے سے سوال کیا۔

"جیسا کہ میں نے پہلے بھی ذکر کیا تھا میں دوبارہ اپنا ریوڑ بنانا چاہتا ہوں۔" لڑکے نے جواب دیا۔

"میں کرسٹل کے بارے میں وہ سب کچھ جانتا ہوں جو کہ ایک دکاندار کو معلوم ہونا چاہیے۔" دکاندار نے چلم میں آگ

کو کریدا اور پھر حقے کا گہرا کش لیتے ہوئے بولا۔

"مجھے کرسٹل کی پہچان ہے اور اس کی خصوصیات بھی معلوم ہیں اگر ہم کرسٹل کے گلاس میں قہوہ پیش کریں گے تو ہمیں دکان کو بھی کھلا کرنا پڑے گا اور پھر میرا طرز زندگی بھی بالکل بدل جائے گا۔"

"تو کیا یہ اچھا نہیں ہے۔"

"میں اپنی زندگی سے بالکل مطمئن ہوں۔ تمہارے آنے سے قبل میں ضرور سوچا کرتا تھا کہ میں نے اس جگہ پر اپنی زندگی برباد کر دی ہے۔ میرے ساتھ کاروبار کرنے والے دوسری جگہ پر چلے گئے تھے اور ان کا کاروبار بھی بہت اچھا جا رہا ہے۔ یہ سب مجھے بہت مایوس کرتا تھا۔ لیکن اب ہر چیز بدل گئی ہے۔ میں زیادہ تبدیلی سے اس لیے گریز کرتا ہوں کہ مجھے نہیں معلوم کہ بدلی ہوئی صورت میں میرا رویہ کیسا ہونا چاہیے میں اپنے معمول کا عادی بن چکا ہوں۔"

لڑکے کو کچھ سمجھ نہیں آ رہا تھا کہ وہ کیا کہے۔

دکاندار نے اپنی بات کو جاری رکھتے ہوئے کہا "تم واقعی میرے لیے خوش قسمتی لے کر آئے ہو۔ آج مجھے وہ ملا ہے جو مجھ سے کھو چکا تھا۔ اگر خوش قسمتی کو قبول نہ کیا جائے تو خدشہ ہوتا ہے کہ وہ بد قسمتی میں بدل جاتی ہے۔ میں زندگی سے مزید کسی چیز کا متمنی نہیں ہوں۔ مگر تم میرے اندر خواہش کو بیدار کرتے ہو اور مجھے نئی امید دلاتے ہو۔ اب جبکہ مجھ میں خواہش بیدار ہو چکی ہے اور میں امید کی نئی کرن دیکھ سکتا ہوں اور میں محسوس کر سکتا ہوں کہ میرے کاروبار میں وسعت کی بے انتہا گنجائش ہے۔ اب جبکہ مجھے معلوم ہے کہ میں کیا کر سکتا ہوں اور اگر میں ایسا نہیں کرتا تو یہ مجھے دوبارہ واپس مایوسی میں دھکیل دے گا۔"

"اچھا ہی تھا کہ میں نے طریفہ میں بکری والے سے کچھ بھی کہنے سے گریز کیا تھا۔" لڑکے نے سوچا۔

دونوں حقہ پیتے ہوئے ڈوبتے ہوئے سورج کا نظارہ کر رہے تھے۔

فضا میں گہرا سکوت تھا سوائے حقے کی گڑگڑاہٹ کے۔

ان کے درمیان تمام گفتگو عربی میں ہو رہی تھی اور لڑکے کو فخر تھا کہ بہت کم وقت میں اس نے عربی پر عبور حاصل کر لیا تھا۔ ایک وہ وقت بھی تھا جب اسے لگتا تھا کہ وہ اپنی بھیڑوں سے سب کچھ سیکھ سکتا ہے۔ آج اسے معلوم ہوا کہ اس کی بھیڑیں اسے عربی نہیں سکھا سکتی تھیں۔ اس کے علاوہ بھی شاید بہت سی چیزیں ہیں جو بھیڑیں اسے نہیں سکھا سکتی تھیں ان کی زندگی کا مقصد تو صرف چارہ اور پانی ہی ہے۔

"بھیڑیں مجھے کچھ نہیں سکھا رہی تھیں بلکہ میں ان سے سیکھ رہا تھا۔" اس نے سوچا

"مکتوب۔" دکاندار نے سکوت توڑا۔

"اس کا کیا مطلب ہے۔" لڑکے نے پوچھا۔

"اس کا مطلب سمجھنے کے لیے تمہیں عرب میں پیدا ہونا چاہیے تھا۔"





دکاندار بولا "تمہاری زبان میں شاید اس کا مطلب ہے "جو قسمت میں لکھا ہے۔"

اس نے چلم کی آگ کو کریدتے ہوئے لڑکے کو اجازت دی کہ وہ کل سے کرسٹل کے گلاس میں قہوہ بیچ سکتا ہے۔

"کبھی کبھی دریا کا رخ موڑنا ناممکن ہوتا ہے۔"

*

جب لوگ پہاڑی کی چوٹی پر پہنچے تو تھکن کے آثار ان کے چہروں پر عیاں تھے لیکن وہ قہوہ خانہ دیکھ کر حیران ہوئے۔ قہوہ خانے میں قہوہ کرسٹل کے گلاسوں میں پیش کیا جاتا تھا۔

"میری بیوی شاید اس کا تصور بھی نہ کر سکے۔" ایک گاہک نے دوسرے سے کہا "آج میرے گھر میں مہمان آنے والے ہیں میں بھی ان کو کرسٹل کے گلاسوں میں قہوہ پیش کروں گا۔ وہ بھی یقیناً متاثر ہوں گے۔"

"یقیناً قہوہ اگر کرسٹل میں پیش کیا جائے تو اس کا لطف دوبالا ہو جاتا ہے۔" دوسرے نے جواب دیا۔

بہت جلد قہوہ خانے کی شہرت پورے شہر میں پھیل گئی۔ لوگ کثیر تعداد میں قہوہ خانے میں آنے لگے۔ اس کی دیکھا دیکھی پہاڑی پر اور بھی کئی قہوہ خانے کھل گئے۔ مگر لوگوں کی جو بھیڑ اس قہوہ خانے پر رہتی تھی وہ کسی اور کا مقدر نہیں تھی۔ دکاندار کو قہوہ خانے میں مزید کئی ملازم رکھنے پڑے۔ اس کی چائے کی درآمد میں کئی گنا اضافہ ہو گیا اور کرسٹل کی فروخت بھی اسی رفتار سے ترقی کر رہی تھی۔



*

لڑکا صبح جلد بیدار ہو گیا۔ آج اسے تاجر میں آئے ہوئے گیارہ مہینے ہو گئے تھے اس نے خاص آج کے دن کے لیے عربی لباس خریدا تھا۔ یہ لباس پہن کر اس نے آہستہ آہستہ سیڑھیاں اترنا شروع کیں۔ شہر پر ابھی تک نیند کا سکوت طاری تھا۔

وہ قہوہ خانے میں آیا اور پہلے اس نے کرسٹل کے گلاس میں قہوہ پیا۔ پھر قہوہ خانے کے دروازے میں بیٹھ کر حقے کے چھوٹے چھوٹے کش لینے لگا۔ وہ اپنے چہرے پر تازہ ہوا محسوس کر سکتا تھا۔ اس ہوا میں صحرا کی مہک رچی ہوئی تھی۔

اس نے اپنی جیب میں ہاتھ ڈالا اور رقم کا بنڈل نکال کر اسے غور سے دیکھنے لگا۔ "اس رقم سے میں 120 بھیڑیں خریدنے کے علاوہ وہ نہ صرف واپسی کا ٹکٹ لے سکتا تھا بلکہ افریقہ سے تجارت کرنے کے لیے درآمدی لائسنس بھی لے سکتا

ہوں۔" اس نے سوچا۔ یہ سب کچھ اس نے پچھلے گیارہ ماہ میں کمایا تھا۔

وہ دکاندار کے بیدار ہونے کا انتظار کرنے لگا۔

جب دکاندار آیا تو دونوں نے ایک ایک گلاس قہوے کا لیا اور قہوہ خانے کے ایک کونے میں بیٹھ گئے۔

"آج میں جا رہا ہوں۔" لڑکے نے انکشاف کیا۔

"میرے پاس اتنی رقم ہے کہ میں اپنا ریوڑ بنا سکتا ہوں۔ اور آپ کے پاس بھی اتنی رقم ہے کہ آپ حج کے لیے روانہ ہو سکتے ہیں۔" دکاندار خاموشی سے اس کی بات سن رہا تھا۔

"کیا آپ مجھے اپنی دعاؤں میں رخصت کریں گے۔" لڑکے نے دکاندار سے سوال کیا۔

آپ نے میری بہت مدد کی ہے۔" لڑکے نے اپنی بات جاری رکھی۔

دکاندار مسلسل خاموش تھا اس نے گلاس میں مزید قہوہ انڈیلا اور پہلی بار بولا:

"مجھے واقعی تم پر فخر ہے۔ تم نے میرے کاروبار کو بہت ترقی دی لیکن تمہیں معلوم ہے کہ میں مکہ نہیں جاؤں گا جس طرح سے کہ مجھے معلوم ہے کہ تم ریوڑ نہیں بناؤ گے۔"

"آپ سے کس نے کہا ہے کہ میں ریوڑ نہیں بناؤں گا؟" لڑکے نے حیرت کا اظہار کیا۔

"مکتوب۔" دکاندار بولا اور اس نے لڑکے کو گرم جوشی سے اپنی نیک تمناؤں کے ساتھ رخصت کیا۔

.....❁.....

لڑکے نے کمرے میں جا کر اپنا سامان باندھا۔ جب وہ یہاں آیا تھا تو اس کے پاس صرف ایک تھیلا تھا جس میں ایک کتاب اور ایک جیکٹ تھی۔ آج اس کے پاس اتنا سامان تھا کہ تین تھیلے بھر گئے، جب وہ کمرے سے روانہ ہونے لگا تو اس کی نظر کونے میں پڑے اپنے بوسیدہ تھیلے پر پڑی۔ وہ اسے بالکل بھول چکا تھا۔ اس نے تھیلا اٹھایا اور اس میں سے جیکٹ نکالی تا کہ گلی میں کسی غریب کو دے دے۔ جیکٹ کے ساتھ دو پتھر نکل کر فرش پر گر پڑے "یوریم اور تھومیم" ان پتھروں کو دیکھ کر اسے بوڑھا بادشاہ یاد آ گیا۔ اسے حیرت ہوئی کہ وہ اتنا عرصہ اسے کیسے بھولا رہا تھا۔ اس نے تقریباً ایک سال سخت محنت کی تا کہ اتنی رقم جمع کر سکے کہ فخر کے ساتھ سپین واپس جا سکے۔

"کبھی بھی خواب دیکھنے سے گریز نہ کرنا۔" بوڑھے بادشاہ نے کہا تھا۔

اس نے "یوریم اور تھومیم" کو فرش سے اٹھا لیا اور اس کے ساتھ ہی اسے ایسے محسوس ہوا جیسے بوڑھا بادشاہ اس کے قریب ہی موجود ہو۔





ایک سال کی سخت محنت کے بعد اب شاید وقت آ گیا تھا کہ وہ واپسی کا سفر اختیار کر سکے۔

"میں واپس جا کر دوبارہ ریوڑ بناؤں گا۔ باوجود اس کے کہ بھیڑوں کے ساتھ رہ کر میں عربی نہیں سیکھ سکا تھا....." اس نے سوچا۔

"لیکن بھیڑوں کے ساتھ رہ کر میں نے شاید اس سے بھی زیادہ اہم چیز سیکھی تھی ایسی چیز جس کا استعمال میں نے دیارِ غیر میں اپنے قیام کے دوران مسلسل کیا۔ اسی کی وجہ سے میں کرسٹل کے کاروبار کو عروج پر لایا اور اسی کے زور پر ہی میں ایک کامیاب اور بے مثال قہوہ خانہ بنانے میں بھی کامیاب ہو سکا۔

وہ چیز تھی "جذبہ" کام کے انجام دینے کی محبت اور اپنے مقصد کو ہمیشہ پیش نظر رکھنا۔"

تانجیر اب اس کے لیے اجنبی جگہ نہیں تھی اور اس کا خیال تھا کہ اس نے اس اجنبی جگہ کو فتح کیا تھا۔ اس طرح وہ جذبے اور لگن سے وہ پوری دنیا کو فتح کرنے کے قابل تھا۔

"جب تم کچھ کرنے کا مصمم ارادہ کر لو تو کائنات کی ہر شے اس کے حصول میں تمہاری مدد کے لیے کوشاں ہو جاتی ہے۔" اسے بوڑھے بادشاہ کی بات یاد آئی۔

پھر اسے خیال آیا کہ بوڑھے بادشاہ نے سب کچھ لٹ جانے کے بارے میں تو کچھ بھی نہیں کہا تھا اور نہ ہی تاحد نظر پھیلے ہوئے صحرا کے بارے میں۔ اور نہ ان لوگوں کے بارے میں کچھ بتایا تھا جو یہ تو جانتے ہیں کہ ان کی منزل کیا ہے اور ان کی زندگی کا مقصد کیا ہے مگر وہ اس کے حصول کے لیے کبھی بھی تیار نہیں ہوتے۔

بوڑھے بادشاہ نے یہ بھی نہیں بتایا تھا کہ اہرام مصر پتھروں کے ایک ڈھیر سے زیادہ کچھ نہیں تھے۔ اور ہر کوئی ایسے اہرام اپنے صحن میں بنا سکتا تھا۔ وہ یہ بتانا بھی بھول گیا تھا کہ اگر اس کے پاس اتنی رقم ہو کہ وہ دوبارہ سے ریوڑ خرید سکے تو اسے کیا کرنا چاہیے؟

لڑکے نے تھیلا اٹھایا اور اسے اپنے سامان کے ساتھ رکھ دیا۔ وہ سیڑھیوں سے نیچے اترا اور دکان میں چلا گیا دکاندار دو غیر ملکی مہمانوں کے ساتھ مصروف تھا اور کئی لوگ قہوہ خانے میں قہوے سے لطف اندوز ہو رہے تھے۔ آج معمول سے زیادہ گہما گہمی تھی۔ آج پہلی بار اس نے غور سے دیکھا تو ایسا لگا کہ دکاندار کے بالوں کا رنگ بوڑھے بادشاہ کے بالوں جیسا تھا۔ اس کے ساتھ اسے یہ بھی یاد آیا کہ اس مٹھائی والے کی مسکراہٹ جس سے وہ تانجیر میں پہلی بار ملا تھا۔ وہ بھی بوڑھے بادشاہ کی مسکراہٹ جیسی تھی۔ ایسا لگتا تھا جیسے بوڑھا بادشاہ یہاں بھی اپنے نشان چھوڑ گیا ہو اور یہ بھی حقیقت تھی کہ ان سب میں سے کوئی بھی بوڑھے بادشاہ سے نہیں ملا تھا۔ اور دوسری طرف اس کا کہنا تھا کہ وہ ہمیشہ ان لوگوں کی مدد کے لیے موجود ہوتا ہے جو اپنی منزل کی تلاش کی جستجو کرتے ہیں۔

اس نے رخصت ہوتے ہوئے دکاندار کو الوداع بھی نہیں کہا۔ وہ عام لوگوں کی طرح الوداع ہوتے ہوئے لوگوں کے سامنے آنسو نہیں نکال سکتا تھا۔ اسے اس جگہ کے چھوڑنے کا افسوس ہمیشہ رہے گا اور یہاں کے لوگ بھی یاد آئیں گے۔

وہ آج اپنے آپ کو بہت مضبوط محسوس کر رہا تھا اس طرح جیسے وہ اس قابل ہو گیا ہو کہ پوری دنیا فتح کر سکے۔

"میں واپس اپنے وطن جاؤں گا اور اپنا ریوڑ بناؤں گا۔" اس نے اپنے آپ سے کہا۔

مگر وہ اپنے اس فیصلے سے مطمئن نہیں تھا۔ اس نے ایک سال تک سخت محنت کی تھی تاکہ اپنے خواب کی تعبیر ڈھونڈ سکے اور آج ہر گزرنے والے لمحے کے ساتھ اس کا خواب اس کے لیے اہمیت کھو رہا تھا۔ ایسا شائد اس لیے تھا کہ یہ اس کا خواب تھا ہی نہیں۔ "کسے معلوم کہ دکاندار کی طرح اپنے خواب کی تکمیل کے لیے مکہ جانے سے تمام زندگی اس خواب کی تعبیر کے انتظار میں گزارنا بہتر ہے۔"

اس نے اپنے آپ کو تسلی دیتے ہوئے کہا۔

لیکن جیسے ہی اس نے بے خیالی میں اپنا ہاتھ تھیلے میں ڈالا تو "یوریم اور تھومیم" اس کے ہاتھ میں آ گئے۔ اور جیسے ہی اس کا ہاتھ پتھروں سے چھوا، اسے ایسا لگا جیسے بوڑھے بادشاہ کی تمام تر توانائیاں اس میں منتقل ہو گئی ہوں۔

"یہ محض ایک اتفاق تھا یا نشانی۔" لڑکے نے سوچا۔

وہ چلتے چلتے اس قہوہ خانے میں پہنچ گیا جہاں وہ پہلے روز آیا تھا آج یہاں کوئی لیٹرا نہیں تھا۔ لیکن قہوہ خانے کے مالک نے اسے مسکراہٹ کے ساتھ قہوہ پیش کیا۔

"میں اگر چاہوں تو اپنے ملک واپس جا سکتا ہوں اور پہلے سے بھی بڑا ریوڑ بنا سکتا ہوں۔ مجھے گلہ بانی کے گر ابھی تک یاد ہیں۔ مگر شاید مجھے اہرام مصر تک جانے کا موقعہ دوبارہ نہ مل سکے۔ بوڑھے نے سونے کی زرہ بھی پہنی رکھی تھی اور اسے میرے ماضی کے بارے میں بھی علم تھا۔ وہ واقعی بادشاہ تھا۔ ایک دانا بادشاہ۔"

اس نے سوچا اندلس کے پہاڑ صرف دو گھنٹے کے فاصلے پر تھے لیکن اہرام مصر تک پہنچنے کے لیے ایک طویل صحرا عبور کرنا ضروری تھا لیکن تصویر کا ایک اور رخ بھی تو تھا اس نے دل میں سوچا "کہ میں اپنی منزل سے دو گھنٹے مزید قریب ہو گیا ہوں۔"

یہ علیحدہ بات ہے کہ یہ دو گھنٹے پھیل کر ایک سال پر محیط ہو گئے تھے۔ لیکن اب اس بات سے زیادہ فرق نہیں پڑتا تھا۔

"میں ریوڑ اس لیے لینا چاہتا ہوں کہ گلہ بانی میرے لیے ایک آزمودہ کام ہے۔ بھیڑیں میرے لیے اجنبی نہیں ہیں جب کہ مجھے نہیں معلوم کہ صحرا کا سفر کیسا ہوتا ہے اور صحرا انسان کے ساتھ کیسا سلوک کرتا ہے ایک انجانی چیز کا خوف؟" اس نے دل میں سوچا۔

لیکن یکدم اس پر مسرت کا انجانا سا احساس طاری ہو گیا۔

"میں جب چاہوں ریوڑ خرید سکتا ہوں یا پھر کرسٹل کا کاروبار شروع کر سکتا ہوں۔ میں ایک دانا سے بھی مل چکا ہوں جس سے ملنے کا شرف شاید بہت کم لوگوں کو حاصل ہوا ہوگا۔ اور یہ کوئی معمولی بات نہیں تھی۔"

اس نے سوچا قہوہ خانے سے نکلنے کے بعد بھی اس کے سوچنے کا عمل جاری تھا۔
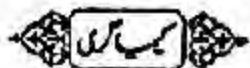




اسے یاد آیا کہ کرسٹل فروش کو مال بیچنے والے ایک تاجر کے قافلے صحرا کے پار بھی مال لے کر جاتے تھے اس نے "یوریم اور تھومیم" کو ہاتھ میں لیا۔ یہ انہیں پتھروں کی وجہ سے ہوا کہ وہ دوبارہ اپنی منزل کی طرف گامزن تھا۔

"جب بھی کوئی اپنی منزل کی تلاش میں نکلتا ہے تو میں ہمیشہ اس کے ساتھ ہوتا ہوں۔" اسے بوڑھے بادشاہ کے الفاظ یاد آئے۔ اور اس کے قدم دکاندار کو مال پہنچانے والے تاجر کی دکان کی طرف اٹھنے لگے۔

***

انگریز ایک بنچ پر بیٹھا ہوا تھا۔ ماحول میں جانوروں کے پسینے، گھاس اور مٹی کی ملی جلی بو پھیلی ہوئی تھی۔ یہ احاطہ گودام بھی تھا اور جانوروں کا باڑہ بھی۔ "میں نے کبھی سوچا بھی نہیں تھا کہ میں ایسی غلیظ جگہ پر آؤں گا" انگریز نے کتاب کی ورق گردانی کرتے ہوئے سوچا۔ "میں نے دس سال انگلینڈ کی بہترین یونیورسٹیوں میں علم کیمیا پڑھا ہے اور آج میں اس باڑے میں ہوں۔"

لیکن اس کی قسمت میں یہ سفر اسی طرح لکھا ہوا تھا اسے بھی نشانیوں پر اعتقاد تھا۔ اس کی تمام زندگی ایک تلاش کے گرد محیط تھی۔ کسی زبان کی تلاش جو پوری کائنات کی زبان ہو۔ اس نے پہلے اسپرانٹو سیکھی۔ وہ دنیا کے تمام مذاہب کے بارے میں بھی اچھی سدھ بدھ رکھتا تھا۔ لیکن ابھی تک وہ کیمیا گر نہیں بن سکا تھا، اس نے کئی اہم سوالات کے جوابات تو تلاش کر لیے تھے لیکن پچھ عرصے سے اس کا علم ایک نقطے پر آ کر رک گیا تھا۔ جہاں سے آگے بڑھنے کا راستہ اسے نہیں مل رہا تھا۔ اس نے ایک کیمیا گر سے تعلقات بھی بڑھانے کی کوشش کی مگر بے سود۔

کیمیا گر دراصل بہت ہی عجیب طبیعت کے مالک ہوتے ہیں۔ خود غرض اور حاسد اور علم کو اپنی ذات تک محدود رکھنے والے۔ یہ بھی کوئی بڑی بات نہیں ہے کہ ان کے پاس علم ہی نہ ہو وہ اسم اعظم جو ہر شے کو سونے میں بدل دے۔ اور وہ اپنی کم علمی کو چھپا رہے ہوں۔ وہ اپنے باپ کی طرف سے ترکے میں ملنے والی جائداد کا بیشتر حصہ پہلے ہی خرچ کر چکا تھا۔ اس نے دنیا کی تمام بڑی لائبریریاں چھان ماریں اور علم کیمیا پر دستیاب تمام کتب کا مطالعہ کر چکا تھا۔

ایک کتاب میں اس نے پڑھا کہ کئی سال قبل ایک مشہور عرب کیمیا گر کا گزر یورپ سے ہوا۔ اس کی عمر دو سو سال سے زیادہ تھی اور اس کے پاس ایسا اسم اعظم تھا جو تمام اشیاء کو سونے میں بدلنے کی اہلیت رکھتا تھا۔ انگریز کو یہ کہانی بہت متاثر کن لگی تھی لیکن وہ اسے ایک افسانوی کردار سے زیادہ اہمیت نہیں دیتا تھا۔

پھر اس کی ملاقات اپنے ایک پرانے دوست سے ہوئی جو کئی سال مصر کے صحرا میں آثار قدیمہ کی تلاش میں مصروف رہا تھا۔ اس کے دوست نے اس سے ایک ایسے عرب کا ذکر کیا جس کے پاس حیرت انگیز طاقت تھی۔

"وہ نخلستان الفیوم میں رہتا ہے۔" اس کے دوست نے بتایا۔

"اور لوگ کہتے ہیں اس کی عمر دو سو سال ہے اور وہ ہر شے کو سونے میں بدلنے کا فن جانتا ہے۔"

انگریز اس نئے انکشاف پر بہت مسرور تھا۔ اس نے ملازمت سے استعفیٰ دیا۔ اپنی اہم کتب کو ساتھ لیا اور آج وہ یہاں بدبودار باڑے میں صحرا کے سفر پر روانہ ہونے کے لیے تیار بیٹھا تھا۔

باڑے کے باہر ایک بہت بڑا قافلہ سفر پر روانہ ہونے کے لیے تیار تھا۔ اس قافلے نے نخلستان الفیوم سے گزر کر جانا تھا۔

ایک عرب نوجوان جس نے کندھوں پر سامان اٹھا رکھا تھا باڑے میں داخل ہوا اور انگریز سے سلام لیا۔

"تم کہاں جا رہے ہو۔" نوجوان عرب نے پوچھا۔

"میں بھی صحرا نورد ہوں۔" انگریز نے ترشی سے جواب دیا۔ وہ گفتگو سے زیادہ کتاب پڑھنے میں دلچسپی رکھتا تھا۔ اس کا ارادہ تھا کہ وہ الفیوم پہنچنے سے پہلے اپنے علم کو دہرا لے۔ اس کا خیال تھا کہ عرب کیمیا گر اسے اپنا شاگرد بنانے سے پہلے اس کا امتحان لے گا۔

نوجوان عرب نے بھی ایک کتاب نکالی اور پڑھنے لگا یہ کتاب ہسپانوی زبان میں تھی۔

برطانوی بھی ہسپانوی زبان جانتا تھا اسے خوشی ہوئی کہ راستے میں کوئی تو ہوگا جس سے وہ آسانی سے گفتگو کر سکے گا۔ کیونکہ اسے عربی پر عبور حاصل نہیں تھا۔

***

"بہت ہی عجیب" لڑکا بولا۔ وہ کتاب کے آغاز میں دیے ہوئے تدفین کے منظر کو پڑھنے کی کوشش کر رہا تھا۔

"میں دو سال سے یہ کتاب پڑھنے کی کوشش کر رہا ہوں اور چند صفحات سے آگے نہیں بڑھ سکا۔"

اس کے ذہن میں ابھی تک اپنے فیصلے کے بارے میں ابہام تھا۔ لیکن ایک چیز بہت واضح تھی کہ "فیصلے تک پہنچنا سفر کا پہلا قدم ہے۔" جب بھی کوئی فیصلہ کرتا ہے تو دراصل طوفانی لہروں میں چھلانگ لگاتا ہے جو اسے ایسی جگہوں تک بہا کر لے جاتی ہیں جہاں سے اس کا گزر اس سے پہلے کبھی نہیں ہوا ہوتا۔

"جب میں نے خزانے کی تلاش میں نکلنے کا فیصلہ کیا تو مجھے نہیں معلوم تھا کہ مجھے کرسٹل کی دکان میں ملازمت کرنی پڑے گی۔ اس قافلے میں شامل ہونا تو محض میرا ایک فیصلہ ہے مگر یہ قافلہ مجھے کہاں لے جاتا ہے یہ فی الحال ایک معمہ ہے۔"

قریب بیٹھے ہوئے انگریز کا رویہ غیر دوستانہ لگتا تھا۔ لڑکے نے کتاب بند کر دی۔ وہ ایسا کوئی بھی عمل نہیں کرنا چاہتا تھا جو اسے انگریز سے مماثل کر دے۔ اس نے اپنی جیب سے "یوریم اور تھومیم" نکالے اور انہیں اچھالنا شروع کر دیا۔





"یوریم اور تھومیم؟" انگریز کے منہ سے بے ساختہ نکلا۔

"یہ بیچنے کے لیے نہیں ہیں۔" وہ جلدی سے پتھروں کو جیب میں ڈالتے ہوئے بولا۔

"اور ان کی کوئی خاص قیمت بھی نہیں ہے۔" انگریز نے جواب دیا۔

"یہ صرف پہاڑی کرسٹل ہیں اس طرح کے لاکھوں پتھر مل جائیں گے۔ لیکن صرف جاننے والوں کو ہی پتہ ہے کہ یہ "یوریم اور تھومیم" ہیں مجھے نہیں معلوم تھا کہ یہ اس علاقے میں بھی موجود ہیں۔"

"یہ مجھے ایک بادشاہ نے تحفے میں دیے تھے۔" لڑکے نے جواب دیا۔

انگریز نے کوئی جواب دینے کی بجائے جیب میں ہاتھ ڈالا اور اسی طرح کے دو پتھر باہر نکالے۔ "بادشاہ نے تم سے کیا کہا؟"

"شاید تمہیں یقین نہیں آ رہا کہ کوئی بادشاہ مجھ جیسے غریب چرواہے سے بات کرنا پسند کرے گا۔"

"بالکل بھی نہیں؟ یہ چرواہے ہی تو تھے جنہوں نے دنیا میں پہلے بادشاہ کی بادشاہت کو تسلیم کیا تھا۔" انگریز بولا۔

"یہ سب میں نے بائبل میں پڑھا ہے اور بائبل میں ہی میں نے یوریم اور تھومیم کے بارے میں پڑھا تھا۔"

انگریز نے اپنی بات جاری رکھتے ہوئے بتایا۔ "مستقبل بینی کی صرف یہ صورت خدا کی طرف سے منع نہیں ہے۔ پادری یہ پتھر سونے کی زرہ میں جڑ کر پہنتے ہیں۔"

لڑکے کے چہرے پر حیرانی اور خوشی کا ملا جلا تاثر تھا۔ اسے بہت خوشی ہوئی کہ وہ اس باڑے میں آیا۔

"شاید یہ بھی ایک نشانی ہے۔" انگریز بولا۔

"تمہیں نشانیوں کے بارے میں کس نے بتایا ہے؟" لڑکے کی حیرت مسلسل بڑھتی جا رہی تھی۔

"زندگی میں ہونے والی ہر بات ایک نشانی ہے۔" انگریز نے جواب دیا۔

"دنیا میں ایک عالمگیر زبان ہے۔ لیکن افسوس یہ ہے کہ ہم اسے بھلا چکے ہیں۔ میں اور چیزوں کے علاوہ اس عالمگیر زبان کی تلاش میں ہوں اور اسی لیے میں یہاں آیا ہوں۔ مجھے اس شخص کی تلاش ہے جو یہ زبان جانتا ہے۔ وہ ایک کیمیا گر ہے۔" انگریز نے اپنی بات جاری رکھی۔

اسی دوران گودام کا مالک آ گیا۔

"آپ دونوں بہت خوش قسمت ہو آج ہی ایک قافلہ الفیوم جا رہا ہے۔" گودام کا مالک بولا۔

"مگر مجھے تو مصر جانا ہے۔" لڑکا جلدی سے بولا۔ اس کے چہرے سے پریشانی عیاں تھی۔

"الفیوم مصر ہی میں ہے۔ تم کس قسم کے عرب ہو جسے اپنے جغرافیے کا ہی علم نہیں ہے؟" گودام کا مالک بولا۔

"یہ بھی ایک نشانی ہے۔" مالک گودام کے جانے کے بعد انگریز بولا۔
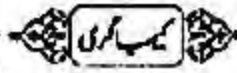
"میں کبھی ایک انسائیکلوپیڈیا لکھوں گا جس میں صرف 'قسمت' اور 'محض اتفاق' کے بارے میں معلومات ہوں گی اور عالمگیر زبان انہی دو الفاظ پر مشتمل ہے۔"

اس نے اپنی بات کی وضاحت کرتے ہوئے مزید کہا "یہ محض اتفاق نہیں ہے کہ تم مجھے اس جگہ اس طرح ملے کہ تمہارے ہاتھ میں یوریم اور تھومیم تھے اور نہ ہی یہ اتفاق ہے کہ ہم دونوں اپنی قسمت کی تلاش میں ہیں۔"

"میں اپنا خزانہ تلاش کرنے نکلا ہوں۔" لڑکا بولا۔ مگر اسے فوراً احساس ہوا کہ اسے انگریز کو خزانے کے بارے میں نہیں بتانا چاہیے تھا۔ لیکن انگریز نے خزانے میں کوئی دلچسپی ظاہر نہیں کی تھی۔

"ایک طرح سے میں بھی خزانے کی تلاش میں ہی آیا ہوں۔" انگریز نے جواب دیا۔

⁂

"میں اس قافلے کا سردار ہوں۔" ایک باریش آدمی بولا۔

"اس قافلے میں موجود ہر آدمی کی زندگی اور موت خدا کے بعد میرے اختیار میں ہے۔ صحرا ایک خوبصورت دوشیزہ کی مانند ہے جو مردوں کے ہوش اڑا دیتی ہے۔"

یہ قافلہ دو سو افراد اور چار سو جانوروں پر مشتمل تھا۔ قافلے میں بچے، خواتین اور مرد شامل تھے۔ کچھ مردوں نے اپنی کمر کے ساتھ تلواریں باندھ رکھی تھیں۔ اور کچھ کے کندھوں پر رائفلیں تھیں، انگریز کے سامان میں کئی سوٹ کیس تھے جن میں کتابیں بھری ہوئی تھیں۔

"قافلے میں بہت سے لوگ ہیں۔" سردار نے اپنی بات جاری رکھی۔ شور کی وجہ سے اسے اپنی بات بار بار دہرانی پڑ رہی تھی۔ "ہر ایک کے اپنے نظریات ہیں لیکن میں ایک خدائے واحد پر یقین رکھتا ہوں اور میں اسی کی قسم کھا کر عہد کرتا ہوں کہ ہر ممکن کوشش کروں گا کہ ہم سب خیریت سے صحرا عبور کر لیں۔ اور میں آپ سے بھی گزارش کروں گا کہ آپ لوگ بھی میرے ساتھ عہد کریں کہ آپ میرے حکم کی تعمیل کریں گے۔ صحرا میں نافرمانی کا مطلب صرف اور صرف موت ہوتا ہے۔"

قافلے میں ہلکا سا شور تھا۔ تمام لوگ زیرِ لب عہد کر رہے تھے۔ لڑکے نے بھی یسوع کی قسم کھا کر عہد کیا کہ وہ سردار کے ہر حکم کی تعمیل کرے گا۔ انگریز البتہ خاموش تھا۔ لوگ دعا کر رہے تھے کہ قافلہ خیریت سے اپنی منزل پر پہنچ جائے۔

بگل کی آواز پر تمام لوگ اپنی اپنی سواریوں پر سوار ہو گئے۔ انگریز اور لڑکے کے پاس اونٹ تھے وہ بھی ان پر سوار ہو گئے۔ لڑکے کو انگریز کے اونٹ پر ترس آ رہا تھا جس کی پیٹھ پر انگریز کے علاوہ اس کی کتابوں کے کئی بکسے بھی لدے ہوئے تھے۔
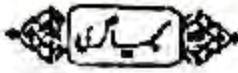




"دنیا میں 'محض اتفاق' نام کی کوئی چیز نہیں ہے۔" انگریز نے گفتگو کا سلسلہ وہیں سے جوڑا جہاں سردار کی تقریر کی وجہ سے منقطع ہوا تھا۔

"میں یہاں پر اس لیے موجود ہوں کہ ایک دوست نے مجھے ایسے عرب شخص کے بارے میں بتایا......"

کارواں روانہ ہونے کی وجہ سے لڑکے کے لیے انگریز کی باتوں پر توجہ دینا مشکل ہو رہا تھا۔ لیکن وہ اندازہ کر سکتا تھا کہ انگریز کیا کہنا چاہ رہا تھا۔

ایک طلسماتی چکر...... جو ایک واقعہ کو دوسرے واقعہ کے ساتھ منسلک کرتا ہے۔

اسی چکر نے اسے پہلے چرواہا بنایا۔

اسی چکر کی وجہ سے اسے بار بار خواب نظر آیا اور پھر وہی چکر اسے افریقہ کے صحرا میں لایا جہاں اسے لٹنے کے بعد کرسٹل فروش سے ملنا تھا اور......

"جیسے جیسے کوئی اپنی منزل کے قریب ہوتا جاتا ہے اتنا ہی منزل اس کی تخلیق کا سچا مقصد دکھائی دینے لگتی ہے۔" لڑکے نے سوچا۔

قافلے نے مشرق کی سمت اپنا سفر شروع کیا۔ قافلہ صبح کے وقت چلتا تھا۔ دوپہر سے پہلے جب دھوپ کی شدت بڑھ جاتی تھی قافلہ رک جاتا تھا اور شام کے وقت اپنے سفر کا دوبارہ آغاز کرتا تھا۔ انگریز سفر کے دوران مطالعے میں مصروف تھا۔ لڑکا خاموشی سے جانوروں اور انسانوں کا مشاہدہ کر رہا تھا۔ اب منظر بالکل بدل چکا تھا۔ اور وہ صحرا کے بیچوں بیچ سفر کر رہے تھے۔ قافلے میں بچوں کی چیخوں اور جانوروں کی آوازوں کا نہ تھمنے والا شور تھا اور ماحول میں جانوروں کی مخصوص بو تھی اور گائیڈز کی چیخ و پکار۔

اگر کسی چیز کو دوام تھا تو وہ صحرا کی مخصوص ہوا اور جانوروں کے قدموں کی آواز تھی۔

"میں نے یہ صحرا اس سے قبل بھی کئی بار عبور کیا ہے۔" ایک ہدی بان بولا۔ "لیکن صحرا اتنا وسیع ہے اور افق اتنا دور کہ انسان کو اپنا آپ بہت حقیر لگتا ہے۔ شائد اس لیے انسان صحرا کی ہیبت سے خاموش رہتا ہے۔"

ہدی بان کی بات لڑکے کی سمجھ میں آ رہی تھی حالانکہ اس نے اس سے قبل صحرا میں قدم نہیں رکھا تھا۔ جب بھی کبھی اس نے سمندر کو دیکھا یا آگ کا مشاہدہ کیا تو فوراً اس پر ان کی فطری طاقت نے اثر چھوڑا تھا۔

میں نے بھیڑوں سے بہت کچھ سیکھا اور میں نے کرسٹل فروش سے بھی کافی نئی باتیں سیکھیں۔" لڑکے نے سوچا۔

"میں صحرا سے بھی بہت کچھ سیکھوں گا۔" صحرا اسے عمر رسیدہ اور دانا لگا۔

ہوا مسلسل چل رہی تھی۔ لڑکے کو یاد آیا کہ اسی ہوا کو اس نے طریفہ کے قلعے کی فصیل پر بیٹھ کر اپنے چہرے پر محسوس کیا تھا۔ اس خیال نے اسے اپنی بھیڑوں کی یاد دلا دی۔ بھیڑیں اب بھی اندلس کی چراگاہوں میں چارے اور پانی کی تلاش میں ہمیشہ کی طرح ماری ماری پھر رہی ہوں گی۔

"لیکن اب وہ میری بھیڑیں نہیں ہیں۔" اس نے اپنے آپ سے کہا۔

"اب تک وہ اپنے نئے مالک کے ساتھ مانوس ہو چکی ہوں گی اور مجھے بھول چکی ہوں گی۔ چلو اچھا ہی ہے کہ بھیڑیں اس کام میں ماہر ہیں کہ وہ کوئی غم زیادہ دیر تک نہیں پالتیں۔"

اسے تاجر کی بیٹی کا خیال آ گیا۔ اس نے بھی اب تک شائد شادی کر لی ہو گی۔ کسی تاجر سے یا پھر کسی چرواہے سے جو پڑھ سکتا ہو اور اسے دلچسپ کہانیاں سنا سکے۔

آخر وہ واحد چرواہا تو نہیں تھا جسے پڑھنا لکھنا آتا تھا۔

اسے اپنی دانائی پر بھی حیرت اور مسرت ہوئی کہ وہ بدی بان کی پُر فلسفہ گفتگو کا مطلب سمجھ گیا تھا۔ اسے لگا جیسے وہ عالمگیر زبان سیکھ رہا ہو۔ وہ عالمگیر زبان جو انسانیت کے ماضی اور حال دونوں میں یکساں محیط تھی۔ اس کی سمجھ میں آنے لگا کہ کبھی کبھار انسان کی روح کائنات کے دھارے میں ڈبکی لگانے میں کامیاب ہو جاتی ہے تو اسے غیب کی چیزوں کی ایک جھلک نظر آتی ہے۔ آخر کار کہیں تو تمام انسانیت کا ماضی، حال اور مستقبل محفوظ تھے۔ اور شائد اسے ہی قیافہ شناسی کہتے ہیں۔

"مکتوب۔" لڑکے کے کانوں میں کرسٹل فروش کے الفاظ کی گونج سنائی دی۔

صحرا کہیں تو ریت کا سمندر تھا اور کہیں کہیں پہاڑ اس سمندر کے درمیان سے نکل آئے تھے۔ جب بھی کبھی قافلے کا سامنا کسی چٹان یا ٹیلے سے ہوتا تو قافلے کا رخ وقتی طور پر بدل جاتا۔

جب کبھی ریت بہت نرم ملتی جہاں پر جانوروں کے قدم دھنسنے کا خطرہ ہوتا تو راستہ بدل کر قافلہ ایسی جگہ کا انتخاب کرتا جہاں سخت زمین ملے تاکہ جانور آرام سے سفر جاری رکھ سکیں۔ کبھی کبھار قافلے کا سامنا خشک جھیل سے ہوتا جس کے اوپر خشک نمک کی تہہ جمی ہوئی ہوتی۔ یہاں جانور بدک جاتے اور آگے چلنے سے انکار کر دیتے۔ ایسی صورت میں بدی بان نیچے اُتر کر جانوروں کا بوجھ اتارتے اور کچھ وزن اپنے کندھوں پر اٹھا کر جھیل پار کرتے اور دوبارہ وزن جانوروں پر لاد دیتے۔

لیکن اس سب کچھ کا نتیجہ صرف ایک تھا۔ چاہے قافلے کو جتنی بھی چٹانوں کا سامنا ہوتا یا خشک جھیلوں سے واسطہ پڑتا چکر لگانے کے بعد قافلہ دوبارہ واپس اسی سمت میں روانہ ہو جاتا جس طرف اس نے پہلے دن رخ کیا تھا۔ قافلے کی نظر اپنی منزل پر تھی اور وہ اپنی سمت کا تعین اس ستارے کی مدد سے کرتا تھا جو نخلستان الفیوم کے اوپر تھا۔

جب قافلے والوں کی نظر صبح کے وقت اس ستارے پر پڑتی تو انہیں یقین ہو جاتا کہ ان کا رخ اس لق و دق صحرا کے بیچوں بیچ موجود پانی، کھجوروں کے باغ اور ریگستان کی کڑی دھوپ میں دستیاب راحت افزا سائے کی طرف ہے۔

اگر اس سب کچھ سے بے خبر تھا تو وہ انگریز تھا۔ کیونکہ وہ اپنی کتابوں میں مشغول تھا۔ لڑکے کے پاس بھی ایک کتاب تھی اور اس نے سفر کے ابتدائی ایام میں اس کو پڑھنے کی کوشش بھی کی لیکن اسے کتاب کی نسبت فطرت کا نظارہ زیادہ دلچسپ لگا۔ اگرچہ اس کا خیال تھا کہ وہ جب بھی کتاب کھولتا ہے تو اس پر کوئی نہ کوئی اہم انکشاف ہوتا ہے لیکن پھر بھی اس نے کتاب





سے چھٹکارا حاصل کر لیا اور اس نے بدی بان سے دوستی کر لی۔ شام کو وہ آگ کے قریب بیٹھ کر بدی بان کو اپنی مہم جوئی کے قصے سناتا اور بدی بان کی باتیں سنتا تھا۔

"میں 'الفیوم' کے پاس رہتا تھا۔" ایک شام بدی بان نے اسے بتایا۔ "میرے پاس اپنا باغ تھا۔ گھر بار اور بچے تھے۔ یہ سب کچھ لافانی محسوس ہوتا تھا۔ ایک سال جب فصل بہت اچھی ہوئی تو میں پورے خاندان کے ساتھ حج کے لیے مکہ گیا۔ یہ میری زندگی کی واحد غیر تکمیل شدہ خواہش تھی۔ اب مجھے زندگی سے کسی اور چیز کی تمنا نہیں تھی۔ اب اگر مجھے موت بھی آ جاتی تو میں اپنی جان جان آفریں کے سپرد کر دیتا۔

ایک روز بہت زور کا زلزلہ آیا اور ساتھ ہی دریائے نیل طغیانی پر آ گیا۔ میرا خیال تھا کہ اس طرح کا حادثہ شائد دوسروں کے ساتھ تو ہو سکتا تھا لیکن میرا مقدر کاتب تقدیر نے اس قسم کی آفات سے صاف رکھا تھا۔ لیکن میرے سب باغ، گھر بار اور بچے اس بالائے ناگہانی کی نظر ہو گئے۔ میری تمام املاک دریا برد ہو گئیں اور مجھے مجبوراً کوئی اور ذریعہ معاش تلاش کرنا پڑا۔ اور آج میں بدی بان ہوں۔ اس تمام حادثے سے میں نے ایک سبق سیکھا ہے۔ اللہ کا حکم ہے کہ انسان کو اس وقت تک انجانے خوف کا شکار ہونے کی ضرورت نہیں جب تک وہ جانتا ہے کہ اسے کیا کرنا ہے اور وہ اس کے حصول پر قادر ہے۔ ہم خوفزدہ ہوتے ہیں کہ ہم وہ کچھ کھو دیں گے جو ہمارے پاس ہے لیکن ہم یہ بھول جاتے ہیں کہ ہماری تقدیر اسی نے لکھی ہے جس نے ہم سے قبل آنے والے انسانوں کی تقدیر لکھی تھی۔ اگر یہ بات ہم ذہن نشین کر لیں تو کوئی خوف ہمارے دل میں جگہ نہیں پا سکتا۔" بدی بان کے چہرے پر سکون تھا اسے اپنی جائیداد اور اولاد کے جانے کا غم نہیں تھا۔

جیسے ہی وہ آگ کے گرد حلقہ جماتے تو بدی بان ریت کے طوفان سے ایک دوسرے کو خبردار کرتے یا صحرا کی داستانیں ایک دوسرے کو سناتے۔ کبھی کبھار قافلے کا سامنا پراسرار نقاب پوش اونٹ سواروں سے ہوتا۔ ان کا کام قافلے کے راستے کی نگہبانی تھا۔ وہ قافلے والوں کو رہزنوں اور ڈاکوؤں کی موجودگی سے خبردار رکھتے تھے۔ وہ جس طرح خاموشی سے صحرا میں سے ظاہر ہوتے تھے اسی طرح چپکے سے غائب ہو جاتے تھے۔ ان کے سیاہ لباس میں سے صرف ان کی آنکھیں دکھائی دیتی تھیں۔ ایک رات بدی بان آگ کے الاؤ کے قریب آیا جہاں لڑکا اور انگریز بیٹھے ہوئے تھے۔ اس نے انہیں بتایا کہ افواہ ہے کہ صحرا میں دو قبائل کے درمیان جنگ چھڑ گئی ہے۔ یہ سن کر تینوں خاموش ہو گئے۔ لڑکے کو ایسے لگا جیسے فضا میں خوف کی لہر پھیل گئی ہو۔

ایک دفعہ پھر اسے ایسی زبان کا احساس ہوا جو الفاظ سے بے نیاز تھی عالمگیر زبان۔

انگریز نے بدی بان سے استفسار کیا کہ کہیں وہ خطرے میں تو نہیں ہیں۔

"صحرا میں صرف اندر آنے کا راستہ ہوتا ہے۔" بدی بان نے جواب دیا۔

"اور جب واپس جانے کا راستہ مسدود ہو تو انسان کو آگے جانے کے لیے بہتر راستہ کی فکر ہونی چاہیے۔ اور باقی اللہ پر چھوڑ دینا چاہیے۔" مکتوب۔"

"آپ کو قافلے کی طرف توجہ دینی چاہیے۔" لڑکے نے انگریز سے کہا۔ "قافلہ کا دنوں سے گزرنے کے لیے کئی چکر کاٹتا ہے مگر اس کا رخ ہمیشہ اپنی منزل کی طرف ہی رہتا ہے۔"

"اور تمہیں چاہیے کہ تم دنیا کے بارے میں معلومات حاصل کرو۔ کتاب کی مثال ایسی ہی ہے جیسا کہ صحرا میں قافلہ۔" انگریز بولا۔

قافلے نے اپنی رفتار تیز کر دی۔

دن تو اس سے قبل بھی خاموش ہوتے تھے۔

مگر اب رات کو بھی پڑاؤ پر مکمل سکوت طاری ہوتا تھا۔ پھر ایک دن سردار نے حکم دیا کہ اب پڑاؤ میں آگ روشن نہیں کی جائے گی۔ اس طرح جنگجو قبائل کو قافلے کی آمد کا علم ہونے کا خدشہ تھا۔

اب جب بھی پڑاؤ پڑتا تو جانوروں کو ایک دائرے کی صورت میں باندھ دیا جاتا اور درمیان میں انسان ہوتے تھے۔ اور پڑاؤ کے چاروں اطراف میں محافظ بھی تعینات کیے جاتے تھے۔

ایک رات جب چاند صحرا کی ریت پر اپنی سحر انگیز چاندنی پھینک رہا تھا۔ لڑکے نے انگریز کو اپنی کہانی سنائی۔ انگریز بالخصوص کرسٹل کی دکان اور اور قہوہ خانے کی کامیابی سے بہت متاثر ہوا۔

"یہی اصول تمام امور میں کارفرما ہے۔" لڑکے کی بات ختم ہونے پر انگریز بولا۔

"کیمیا گری کی زبان میں اسے کائنات کی روح کہا جاتا ہے۔ جب انسان دل کی گہرائیوں سے کچھ تمنا کرتا ہے تو وہ کائنات کی روح کے قریب ہوتا ہے۔ یہ ہمیشہ ہی مثبت عمل ہے۔ اور یہ صرف انسان نہیں ہے کہ جس میں روح ہے بلکہ کائنات کی ہر شے چاہے وہ جمادات ہوں یا نباتات یا جانور ہوں سب میں روح ہے۔ کائنات میں مسلسل ایک تغیر کارفرما ہے کیونکہ کائنات ایک زندہ جاوید حقیقت ہے کہ دنیا کی ہر چیز میں روح کارفرما ہے۔ ہم بھی اس روح کا ایک جزو ہیں شائد اس لیے ہمیں اس کا ادراک نہیں ہوتا کہ یہ روح ہماری بھلائی کے لیے مصروف عمل ہے۔ شائد کرسٹل کی دکان میں تم نے محسوس کیا ہوگا کہ گویا برتن تک تمہاری جدوجہد میں تمہاری معاونت کر رہے تھے۔"

لڑکا چند لمحوں کے لیے گہری سوچ میں ڈوب گیا۔ اس نے پہلے چاند کو دیکھا اور پھر دودھیا ریت پر نظر جماتے ہوئے بولا:

"میں نے صحرا کے بیچ میں قافلے کو بغور دیکھا۔ قافلے اور صحرا کی یہ ایک ہی زبان ہے اور اس لیے صحرا قافلے کو گزرنے کی اجازت دیتا ہے۔ اور وہ مسلسل دیکھ رہا ہوتا ہے کہ قافلے کا ہر قدم اپنے مقررہ وقت پر مقررہ جگہ پر پڑتا ہے یا نہیں اگر یہ ایسا ہے تو ہم ضرور نخلستان تک پہنچنے میں کامیاب ہوں گے۔"

اگر ہم اس قافلے میں محض اپنی جرأت مندی کے زور پر چل رہے ہوتے اور ہمیں اصل حقیقت کا علم نہ ہوتا تو شائد یہ سفر بھی بہت تکلیف دہ ہوتا۔"





دونوں خاموشی سے چاند کی طرف دیکھ رہے تھے۔

"اور یہ نشانیوں کا جادو ہے۔" لڑکا سکوت کو توڑتے ہوئے بولا۔

"میں نے دیکھا ہے کہ کس طرح بدوی بان بظاہر بے نشان صحرا میں راستہ تلاش کرتے ہیں اور کس طرح قافلے کی روح صحرا کی روح سے ہم کلام ہوتی ہے۔"

"مجھے بھی قافلے کا اتنی گہرائی سے مشاہدہ کرنا چاہیے۔" انگریز بولا۔

"اور مجھے تمہاری کتابوں کا مطالعہ۔" لڑکے نے جواب دیا۔

***

وہ بہت ہی عجیب و غریب کتابیں تھیں۔ ان میں پارے، نمکیات، اژدہوں اور بادشاہوں کا ذکر تھا اور یہ سب کچھ لڑکے کے فہم سے بہت اوپر کی باتیں تھیں۔ اسے ایک چیز تمام کتب میں مماثل نظر آئی۔ سب میں ایک نظریہ تھا کہ کائنات کی ہر چیز کی بنیاد ایک ہی ہے۔

ایک کتاب میں اس نے پڑھا کہ کیمیا گری کا اصل گر صرف چند سطور میں مرکوز تھا اور یہ ایک پکھراج پر لکھی ہوئی تھیں۔

"اسے پکھراج کی تختی کہتے ہیں۔" انگریز نے اسے بتایا۔

انگریز کو خوشی ہوئی کہ بالآخر وہ بھی لڑکے کو متاثر کر سکے گا۔

"اگر کیمیا گری کا علم اتنا ہی مختصر ہے تو پھر ہمیں اتنی کتابوں کی کیا ضرورت ہے؟" لڑکے نے استفسار کیا۔

"تا کہ ہم ان چند سطروں کو سمجھ سکیں" انگریز نے جواب دیا لیکن اسے خود بھی یقین نہ تھا کہ وہ جو کہہ رہا تھا وہ حقیقت میں ایسا ہی ہے۔

لڑکے کو سب سے زیادہ دلچسپ وہ کتاب لگی جس میں مشہور کیمیا گروں کی کہانیاں تھیں۔ یہ وہ لوگ تھے جنہوں نے اپنی زندگیاں اس تلاش میں گزار دی تھیں کہ وہ دھات کو مصفا کر سکیں۔ ان کا خیال تھا کہ اگر دھات کو کئی سال تک گرم کیا جائے تو وہ اپنی انفرادی خصوصیات کو ترک دیتی ہے اور نتیجتاً کائنات کی روح سامنے آ جائے گی۔ اور کائنات کی اس روح کی مدد سے وہ دنیا میں ہر چیز کی حقیقت جان سکیں گے۔ کیونکہ ان کے خیال میں کائنات کی ہر شے کی ایک ہی زبان تھی۔ وہ اس دریافت کو "کار عظیم" کا نام دیتے تھے۔ یہ جزو مائع اور جزو ٹھوس ہے۔

"کیا صرف انسان اور نشانیوں کا تجربہ کائنات کی زبان کو سمجھنے کے لیے کافی نہیں ہے؟" لڑکے نے سوال کیا۔

"تمہیں ہر شے کو آسانی سے لینے کا خبط سوار ہے" انگریز نے تلخی سے جواب دیا۔ "جبکہ کیمیا گری انتہائی سنجیدہ کام
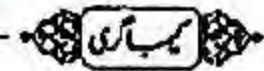
ہے۔ ہر قدم استادوں کے نقش قدم پر ہونا چاہیے۔"

لڑکے نے پڑھا تھا کہ "کار عظیم کے مائع حصے کو آب حیات کہتے ہیں اور یہ ہر بیماری کا علاج ہے اور انسان کو جوان بھی رکھتا ہے۔ جبکہ ٹھوس حصے کو سنگ فلسفہ کہتے ہیں۔"

"سنگ فلسفہ اتنی آسانی سے نہیں مل سکتا۔" انگریز نے بتایا۔

کیمیا گروں نے سالہا سال لیبارٹریوں میں صرف کیے۔ وہ آگ کا مشاہدہ کرتے رہے جس سے دھات کی تطہیر ہوتی تھی۔ انہوں نے آگ کے قریب اتنا وقت گزارا کہ تمام دنیاوی خواہشات سے ان کا پیچھا چھوٹ گیا۔ جب وہ منزل پر پہنچے تو ان کو معلوم ہوا کہ مادے کی صفائی کرتے کرتے وہ خود بھی تمام دنیاوی خواہشات کی آلائشوں سے پاک ہو چکے تھے۔

لڑکے کو فوراً کرسٹل فروش کا خیال آگیا۔ اس نے کہا تھا کہ لڑکے کے لیے کرسٹل کی صفائی ایک اچھا عمل ہے اس طرح اس کے دل کی بھی منفی خیالات سے صفائی ہو جائے گی۔

لڑکے کو یقین ہوتا جا رہا تھا کہ کیمیا گری انسان اپنے اردگرد سے سیکھ سکتا ہے۔

"اور" انگریز نے اپنی بات کو جاری رکھتے ہوئے کہا۔

"سنگ فلسفہ کی اور بھی حیران کن خصوصیات ہیں۔ اس پتھر کا ایک ذرہ دھات کی کثیر تعداد کو سونے میں بدل سکتا ہے۔"

لڑکا کیمیا گری میں دلچسپی محسوس کر رہا تھا۔ اس نے سوچا کہ وہ بھی محنت کے بعد ہر شے کو سونے میں بدل سکتا ہے۔ اس نے اب تک کئی ایسے لوگوں کا ذکر پڑھا تھا جنہیں اس میں کمال حاصل تھا۔ ہیل ویشیس، ایلیکس، فل کینٹلی اور گیبر۔ ان لوگوں کی کہانیاں بہت متاثر کن تھیں ان میں سے ہر شخص اپنی منزل مقصود تک پہنچنے میں کامیاب رہا تھا۔

انہوں نے طویل سفر کیے۔ دانا لوگوں سے رہنمائی لی اور سخت محنت کے بعد آب حیات اور سنگ فلسفہ حاصل کرنے میں کامیاب ہوئے۔

جب لڑکے نے کار عظیم کے حصول کے بارے میں سوچا تو اسے کوئی واضح جواب نہ مل سکا۔ کتابوں میں چند ڈرائنگ تھیں۔ کوڈ ورڈ میں کچھ ہدایات اور نہ سمجھ آنے والے الفاظ کا مجموعہ۔

.....❀.....

"نہ جانے یہ لوگ اتنے مشکل پسند کیوں ہوتے ہیں؟" اس نے انگریز سے پوچھا۔

"تاکہ اس کو صرف وہ لوگ سمجھ سکیں جنہیں اس کی ضرورت ہے۔" انگریز نے جواب دیا۔

"اگر ہر شخص دھات کو سونے میں بدلنے کا فن سیکھ لے تو پھر سونے کی قدر و قیمت کسی عام دھات سے زیادہ نہیں
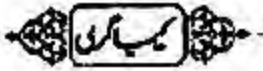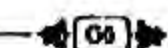




رہے گی۔ جو لوگ ثابت قدمی اور لگن سے اس کی تلاش کرتے ہیں صرف وہ لوگ کار عظیم حاصل کرنے میں کامیاب رہے ہیں اور میں بھی اسی مقصد کے لیے اس صحرا کے بیچوں بیچ موجود ہوں۔ میں یہاں ایک کیمیا گر کی تلاش میں آیا ہوں جو ان کوڈ ورڈز کو حل کرنے میں میری رہنمائی کر سکتا ہے۔"

"یہ کتابیں کب لکھی گئی تھیں؟" لڑکے نے سوال کیا۔

"کئی صدیاں قبل۔"

"لیکن اس وقت تو کوئی پرنٹنگ پریس موجود نہیں تھے۔" لڑکا بولا "اس لیے ایسا کوئی خدشہ نہیں تھا کہ عام لوگ کیمیا گری کا ہنر سیکھ سکیں تو پھر اس کی زبان اتنی مشکل کیوں رکھی گئی؟"

انگریز کے پاس اس کے اس سوال کا کوئی جواب نہیں تھا۔

.....❀.....

پھر ایک دن لڑکے نے تمام کتابیں انگریز کو واپس کر دیں۔

"کیا تم نے کچھ سیکھا؟" انگریز نے پوچھا۔

"میں نے یہ سیکھا ہے کہ کائنات کی ایک روح ہے اور جو کوئی اس روح کو سمجھے گا وہ عالمگیر زبان پر بھی دسترس حاصل کرے گا اور کئی کیمیا گروں نے اپنی منزل کا صحیح تعین کیا اور وہ آب حیات اور سنگ فلسفہ حاصل کرنے میں کامیاب ہو گئے۔ اور سب سے بڑھ کر یہ کہ یہ سب کچھ اتنا ہی سادہ، آسان اور مختصر ہے کہ اسے محض زمرد کی ایک تختی پر لکھا جا سکتا ہے۔"

انگریز کو بہت مایوسی ہوئی کہ اس کی سالوں کی محنت، طلسماتی نشانات، عجیب و غریب الفاظ اور لیبارٹریاں کچھ بھی لڑکے کو متاثر نہیں کر سکا تھا۔ اس نے سوچا کہ لڑکے کی روح بہت ہی ابتدائی مراحل میں ہے اس لیے وہ کچھ سمجھنے سے قاصر ہے۔

اس نے اپنی کتابیں واپس لیں اور انہیں صندوق میں بند کر دیا۔

"بہتر ہے کہ میں صرف قافلے کا نظارہ کروں۔" اس نے تلخی سے کہا۔

"کیونکہ میں ان کتابوں سے کچھ سیکھنے میں ناکام رہا ہوں۔"

"ہر ایک کا سیکھنے کا اپنا انداز ہے۔" لڑکے نے اپنے آپ سے کہا۔

"میرا طریقہ اس سے بالکل مختلف ہے اور اس کا طریقہ مجھ سے مگر ہم دونوں کو اپنی اپنی منزل کی تلاش ہے۔"

.....❀.....

اب قافلے نے دن اور رات سفر کرنا شروع کر دیا۔ نقاب پوش بدو اب زیادہ جلدی جلدی نظر آنے لگے تھے۔ بدّی بان نے لڑکے کو بتایا کہ قبائل کے درمیان جنگ طول پکڑ گئی تھی اور اب نخلستان تک پہنچنا ایک معجزے سے کم نہیں تھا۔ جانور تھک چکے تھے اور انسان خاموش تھے۔

خاموشی رات کو اور بھی شدید ہو جاتی تھی۔ اونٹوں کی آواز جو اس سے قبل محض ایک اونٹ کی آواز کا درجہ رکھتی تھی اب قافلے والوں کے لیے خوف کا باعث بن جاتی تھی کیونکہ یہ خطرے کی گھنٹی بھی ہو سکتی تھی..... یعنی حملے کا اعلان۔

بدّی بان بظاہر جنگ سے لاتعلق لگتا تھا۔

ایک رات جب وہ دونوں کھجوریں کھا رہے تھے تو بدّی بان بولا:

"میں زندہ ہوں۔ جب میں کھانا کھا رہا ہوتا ہوں تو صرف کھانے کے بارے میں سوچتا ہوں اور جب سفر کر رہا ہوتا ہوں تو صرف سفر کے بارے میں سوچتا ہوں۔ اگر مجھے لڑنا پڑ گیا تو میرے لیے آج کے دن مرنا بھی ایسا ہی ہوگا جیسے کسی اور روز۔ نہ تو مجھے اپنے ماضی سے کوئی سروکار ہے اور نہ مستقبل سے، مجھے فکر ہے تو صرف اپنے حال کی۔ اگر انسان صرف اپنے حال پر توجہ دے تو انسان بہت خوش رہ سکتا ہے پھر اسے صحرا میں بھی زندگی نظر آتی ہے۔ اسے آسمان میں ستارے نظر آتے ہیں اور قبائل کے درمیان لڑائی کوئی خوفناک عمل محسوس ہونے کی بجائے انسانی جبلت کا ایک عمل لگتی ہے۔ زندگی ایک جشن بن جاتی ہے۔ کیونکہ زندگی صرف لمحہ موجود کا ہی تو نام ہے۔"

دو رات بعد لڑکا اپنا بستر درست کر رہا تھا تو اس کی نظر اس ستارے پر پڑی جس کو دیکھ کر قافلہ اپنی سمت کا اندازہ کرتا تھا۔ اسے ایسے لگا جیسے افق نیچے اتر آیا ہو کیونکہ اب اسے صحرا میں بھی ستارے نظر آنے لگے تھے۔ "یہ نخلستان ہے۔" بدّی بان بولا۔

"تو پھر ہم ابھی وہاں کیوں نہیں جاتے۔" لڑکے نے پوچھا۔

"کیونکہ ہمیں آرام کرنا ہے۔"

......❁......

سورج طلوع ہونے کے ساتھ ہی لڑکا بھی نیند سے جاگ گیا۔ اس کے سامنے جہاں رات کو ستارے نظر آتے تھے وہاں کھجور کے درختوں کا نہ ختم ہونے والا سلسلہ تا حد نگاہ پھیلا ہوا تھا۔

"ہم بالآخر پہنچ ہی گئے۔" انگریز بولا۔





لیکن لڑکا خاموش تھا۔ وہ صحرا کی خاموشی کا عادی ہو چکا تھا اور اس کے لیے محض درختوں کا نظارہ ہی کافی تھا۔ اس کا سفر ابھی بہت طویل تھا اور کسی دن یہ صبح صرف ماضی کا حصہ ہوگی۔ لیکن آج یہ لمحہ موجود تھا۔

ایک جشن..... جیسا کہ بدّی بان نے کہا تھا۔ اور وہ اس لمحہ موجود میں جینا چاہتا تھا ماضی کی پشیمانی اور مستقبل کی فکر بھلا کر۔

اگرچہ ایک دن کھجور کے درختوں کا منظر محض ایک یاد ہوگا مگر اس وقت یہ علامت ہے پانی کی، راحت افزا سایہ اور جنگ سے پناہ کی۔

......❁......

وقت زندگی کو رواں دواں رکھتا ہے اور ایسا ہی قافلے بھی کرتے ہیں۔ کیمیا گر نے سوچا۔ وہ سینکڑوں انسانوں اور جانوروں کے قافلے کو نخلستان میں داخل ہوتا دیکھ رہا تھا۔

لوگ آنے والوں کو چیخ چیخ کر خوش آمدید کہہ رہے تھے۔ دھول کے بادل نے سورج کو ڈھانپ لیا تھا اور بچے آنے والوں کو دیکھ کر خوش ہو رہے تھے۔ کیمیا گر نے دیکھا کہ قبیلے کا سردار قافلے کے سردار سے گلے مل رہا تھا اور اس سے سفر کے حالات پوچھ رہا تھا۔ یہ سب کچھ کیمیا گر کے لیے کچھ معنی نہیں رکھتا تھا۔ اس نے اس سے قبل بھی کئی قافلوں کو آتے جاتے دیکھا تھا مگر صحرا ہمیشہ سے ایسا ہی تھا۔ صحرا کی اس ریت پر شہنشاہ بھی گزرے تھے اور گدا بھی۔ صحرائی ٹیلے ہوا کی طاقت سے اپنی جگہ تو ضرور بدلتے تھے مگر یہ ریت ویسی کی ویسی ہی تھی جیسے وہ اپنے بچپن سے دیکھتا آیا تھا۔ کئی ہفتے کے تھکا دینے والے سفر اور صحرا کی یکسانیت کے بعد نخلستان کا سبزہ دیکھ کر اہل قافلہ کے چہروں پر کھلنے والی رونق اسے ہمیشہ طمانیت بخشتی تھی۔

شائد خدا نے صحرا اس لیے بنایا تھا کہ لوگ کھجور کے درخت کی قدر کریں۔ کیمیا گر نے سوچا۔ اسے معلوم تھا کہ اس قافلے میں ایک ایسا انسان بھی تھا جس کو اس نے کچھ راز سکھانے تھے۔ اس نے اس انسان کو کبھی نہیں دیکھا تھا مگر اس کی تجربہ کار نگاہیں یقیناً اس انسان کو فوراً پہچان لیں گی۔ اسے یقین تھا کہ وہ بھی اتنا ہی قابل ہوگا جیسا کہ اس سے قبل اس کے شاگرد تھے۔

......❁......

لڑکے کو اپنی آنکھوں پر یقین نہیں آ رہا تھا۔ نخلستان جیسا کہ کبھی اس نے جغرافیے کی ایک کتاب میں دیکھا تھا محض کھجور کے چند درختوں پر مشتمل نہیں تھا بلکہ سپین کے کسی بھی قصبے سے زیادہ وسیع تھا۔ نخلستان میں تین سو کنویں، پچاس ہزار کھجور کے درخت اور بے شمار خیمے تھے۔

"یہ تو کوئی الف لیلیٰ کی کہانیوں کا منظر لگتا ہے۔" برطانوی جو کیمیا گر سے ملنے کے لیے بے قرار تھا، بولا۔

وہ دونوں بچوں میں گھرے ہوئے تھے جو اشتیاق سے نئے آنے والے جانوروں اور لوگوں کو دیکھ رہے تھے۔ مرد جاننا چاہتے تھے کہ قافلے والوں نے جنگ کا کوئی منظر دیکھا تھا یا نہیں۔ جبکہ عورتیں کپڑوں اور زیورات اور قیمتی پتھروں کی خریداری میں دلچسپی رکھتی تھیں۔

صحرا کا سکوت اب محض ماضی کی ایک یاد تھا۔ چاروں طرف لوگوں کی آوازیں تھیں جو خوشی سے ہنس رہے تھے اور چیخ رہے تھے ایسے لگتا تھا جیسے وہ لوگ کسی روحانی دنیا سے یک دم زمین پر آ گئے ہوں۔

صحرا میں سفر کے دوران وہ لوگ بہت احتیاط برت رہے تھے۔ اب بدی بان نے بتایا کہ نخلستان ایک غیر متنازعہ علاقہ سمجھا جاتا ہے کیونکہ اس کی آبادی کی اکثریت بچوں اور عورتوں پر مشتمل ہوتی ہے۔ نخلستان پورے صحرا میں موجود تھے مگر قبائل صرف صحرا میں لڑائی لڑتے تھے اور نخلستان کو پناہ گاہ کا درجہ حاصل تھا۔

کافی مشکل کے بعد قافلے کا سردار پورے قافلے کو جمع کرنے میں کامیاب ہو سکا۔ وہ قافلے والوں کو کچھ ہدایات دینا چاہتا تھا۔ قافلے کو نخلستان میں اس وقت تک رہنا تھا جب تک قبائل کی جنگ اختتام کو نہ پہنچ جائے۔ کیونکہ وہ لوگ مہمان تھے اس لیے انہیں نخلستان میں سب سے اچھی جگہ دی گئی تھی۔ اور یہی مہمان نوازی کی روایت تھی۔ سردار نے اپنے محافظوں سمیت تمام لوگوں سے کہا کہ وہ ہتھیار جمع کرا دیں کیونکہ دستور کے مطابق نخلستان میں ہتھیار اٹھانا منع تھا۔

لڑکے کو اس وقت حیرت ہوئی جب انگریز نے اپنے صندوق سے سونے کا پانی چڑھا ریوالور نکالا اور سردار کے متعین کردہ آدمی کو دے دیا۔

"تم ریوالور کس لیے اپنے پاس رکھتے ہو؟" لڑکے نے سوال کیا۔

"اس طرح مجھے لوگوں پر اعتماد رہتا ہے۔" انگریز نے جواب دیا۔

لڑکے کو فوراً اپنے خزانے کا خیال آ گیا۔ جوں جوں وہ اپنے خواب کی تعبیر کے نزدیک ہو رہا تھا اتنی ہی مشکلیں بڑھتی جا رہی تھیں۔ ایسا لگتا تھا کہ (آغازی قسمت) جیسا کہ بوڑھے بادشاہ نے کہا تھا، کام نہیں کر رہی تھی۔

اپنے خواب کی تعبیر کی تلاش میں اسے مسلسل صبر اور ثابت قدمی کے امتحان سے گزرنا پڑ رہا تھا۔ اس لیے وہ بے صبری کا مظاہرہ نہیں کرنا چاہتا تھا۔ اگر وہ جذبات میں آگے بڑھتا تو ممکن تھا کہ وہ ان نشانات اور علامات کو نہ سمجھ سکتا جو خدا نے اس





کے راستے میں رکھ چھوڑے تھے۔

"خدا نے انہیں میرے راستے میں رکھ دیا ہے۔" اسے اپنی سوچ پر حیرت ہوئی۔

اس سے قبل وہ انہیں دنیا کی چیز سمجھتا تھا۔ جیسا کہ غذا اور نیند یا پھر محبت یا روزگار کی تلاش، اس سے قبل اسے یہ خیال ہی نہ آیا کہ خدا نے اس کی زبان میں اسے ہدایات دی تھیں کہ اسے کیا کرنا چاہیے۔

"بے صبری مت کرو۔" اس نے اپنے آپ سے کہا۔

جیسا کہ بدی بان نے کہا تھا "جب کھانے کا وقت ہو تو صرف کھانے پر دھیان دو اور جب سفر کا وقت ہو تو صرف سفر کے بارے میں سوچو۔"

پہلے روز تقریباً تمام لوگ سو کر تھکن اتارتے رہے بشمول انگریز کے۔ لڑکے کو اپنے دوست سے دور جگہ ملی تھی جہاں وہ اپنی عمر کے پانچ اور لڑکوں کے ساتھ رہ رہا تھا۔ یہ سب لوگ صحرا کے باسی تھے اور انہیں لڑکے کی داستانیں بہت دلچسپ لگی تھیں۔ لڑکا انہیں اپنی زندگی اور کرسٹل کی دکان میں حاصل ہونے والے تجربات کے بارے میں بتا رہا تھا کہ اس دوران انگریز اس کے خیمے میں داخل ہوا۔

"میں صبح سے تمہیں تلاش کر رہا ہوں۔" اس نے لڑکے کو خیمے سے باہر لے جاتے ہوئے کہا۔

"مجھے کیمیا گر کو تلاش کرنے میں تمہاری مدد درکار ہے۔"

پہلے تو وہ دونوں خود ہی کیمیا گر کو تلاش کرتے رہے۔

ان کا خیال تھا کہ کیمیا گر کا طرز رہائش نخلستان کے باقی باسیوں سے بالکل مختلف ہو گا اور اس کے خیمے میں ایک بھٹی مسلسل روشن ہو گی۔

انہوں نے ہر اس جگہ تلاش کیا جہاں ان کے خیال میں کیمیا گر ہو سکتا تھا۔ لیکن نخلستان ان کے اندازے سے کہیں زیادہ وسیع تھا۔

"ہم نے پورا دن ضائع کر دیا۔" انگریز بولا۔

شاید ہمیں کسی سے اس کے بارے میں پوچھ لینا چاہیے تھا۔" لڑکے نے تجویز دی۔

انگریز باقی لوگوں پر اپنے یہاں آنے کا اصل مقصد ظاہر نہیں کرنا چاہتا تھا۔ بالآخر وہ اس بات پر راضی ہو گیا۔ لڑکا کیونکہ اس سے بہتر عربی بول سکتا تھا اس لیے انگریز کا خیال تھا کہ وہ لوگوں سے کیمیا گر کے بارے میں معلوم کرے۔ لڑکا ایک عورت کے پاس گیا جو کہ کنویں پر پانی بھرنے آئی تھی۔

"صبح بخیر۔ میں ایک کیمیا گر کی تلاش میں ہوں جو اس نخلستان میں رہتا ہے۔" اس نے عورت سے کہا۔

عورت نے اسے بتایا کہ اس نے اس سے قبل کسی کیمیا گر کا ذکر نہیں سنا تھا اور جلدی سے جانے کے لیے مڑی۔
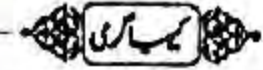
جانے سے پہلے اس نے لڑکے کو بتایا کہ اسے چاہیے وہ کالے لباس میں ملبوس کسی عورت کو مخاطب نہ کرے۔ کالا لباس خاتون کے شادی شدہ ہونے کی علامت تھا اور صحرا کے دستور کے مطابق شادی شدہ خواتین سے نامحرم مردوں کو بات نہیں کرنی چاہیے۔

انگریز کو بڑی مایوسی ہوئی۔ اسے ایسے لگا جیسے اس کی تمام تر محنت رائیگاں گئی۔

لڑکا بھی افسردہ تھا۔ اس کا دوست اپنی منزل کی تلاش میں تھا اور وہ اس کی ہر ممکن مدد کرنا چاہتا تھا۔

بوڑھے بادشاہ نے کہا تھا کہ جب بھی کوئی اپنی منزل تک پہنچنے کا مصمم ارادہ کرتا ہے تو کائنات کی ہر شے اس کی مدد میں مصروف ہوتی ہے۔ اسے لگا کہ بوڑھے بادشاہ کا کہنا غلط تھا۔

"میں نے تو اس سے قبل کبھی کیمیاگر کے بارے میں نہیں سنا اور لگتا ہے کہ یہاں کسی اور نے بھی اس کا ذکر نہیں سنا۔" لڑکا بولا۔

انگریز کی آنکھوں میں چمک تھی۔

"بالکل ٹھیک ہے شائد یہاں کسی کو علم ہی نہیں ہے کہ یہاں ایک کیمیاگر رہتا ہے ہمیں معلوم کرنا چاہیئے کہ یہاں لوگوں کا علاج کون کرتا ہے؟"

کالے لباس میں ملبوس کئی خواتین کنوئیں پر آئیں لیکن لڑکے نے انہیں مخاطب کرنے سے اجتناب کیا باوجود انگریز کے بار بار اکسانے کے۔

آخر کار ایک مرد نظر آیا۔ لڑکا اس کی طرف لپکا۔

یہاں لوگوں کا علاج کون کرتا ہے؟"

"اللہ۔" مرد نے آسمان کی طرف نظریں اٹھا کر کہا۔

"شائد تم جھاڑ پھونک کرنے والوں کی تلاش میں ہو" مرد نے قرآن کی چند آیات کی تلاوت کی جو لڑکے کے سر کے اوپر سے گزر گئیں۔

ایک اور بوڑھا آدمی کنوئیں کی طرف آ رہا تھا۔ لڑکے نے اس سے بھی وہی سوال کیا۔ "تمہیں ایسے شخص کی تلاش کیوں ہے؟" بوڑھے نے الٹا سوال کیا۔

"کیونکہ میرے ایک ساتھی نے کئی ماہ تک صرف اس لیے سفر کیا ہے کہ اس شخص سے ملاقات کر سکے" لڑکے نے جواب دیا۔

"اگر یہاں ایسا کوئی شخص ہے تو پھر وہ بلاشبہ بہت طاقتور شخص ہوگا بوڑھے نے کچھ دیر سوچنے کے بعد جواب دیا۔

"تم جنگ کے ختم ہونے کا انتظار کرو اور نخلستان کی زندگی میں دخل دینے سے اجتناب کرو" بوڑھے نے جاتے ہوئے کہا۔
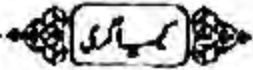




انگریز خوش تھا اسے یقین ہو گیا کہ وہ صحیح سمت میں چل رہے تھے۔

آخر کار ایک نوجوان عورت کنوئیں کی طرف آتی ہوئی نظر آئی جو سیاہ لباس میں ملبوس نہیں تھی۔ اس کے سر پر رومال تھا مگر اس کا چہرہ ننگا تھا۔

لڑکا اس کی طرف اس غرض سے بڑھا تا کہ اس سے کیمیاگر کے بارے میں پوچھ سکے۔

جیسے ہی اس نے لڑکی کو قریب سے دیکھا اسے ایسا لگا جیسے پوری کائنات تھم گئی ہو۔ اس کی گہری سیاہ آنکھیں سمندر سے زیادہ گہری تھیں۔ متبسم ہونٹ کسی گلاب کی پنکھڑی سے بھی خوبصورت تھے۔

اس پر عالمگیر زبان کے سب سے اہم حصے کا آج انکشاف ہوا۔ وہ حصہ جسے دنیا میں موجود ہر شے سمجھ سکتی تھی۔ "محبت" جس کا وجود انسان کے وجود سے بھی قدیم ہے اور جس کی وسعت صحرا سے بھی زیادہ ہے۔

یہ ایک ایسی طاقت ہے جو دو نظروں کے ملاپ پر وجود میں آتی ہے۔ لڑکی مسکرائی..... یہ یقیناً ایک علامت تھی۔

شائد اسی علامت کی اسے اب تک تلاش تھی۔ اسی کی تلاش میں وہ اپنی بھیڑوں کے ساتھ مارا مارا پھرا تھا۔ کتابوں میں سر کھپایا۔ کرسٹل کی دکان میں محنت کی اور صحرا کی وسعت میں سرگرداں رہا۔ یہ دنیا کی سب سے پاکیزہ زبان ہے جسے کسی بھی وضاحت کی ضرورت نہیں ہے۔ جس طرح کائنات کسی بھی وضاحت سے بے نیاز ہے۔

لڑکے کو ایسے محسوس ہوا جیسے وہ دنیا میں موجود واحد خاتون کے ساتھ ہے۔ اور اسے لگا کہ بغیر کوئی لفظ بولے لڑکی نے اس کے احساسات کو محسوس کر لیا تھا۔ اس کے نزدیک اس حقیقت کا وجود دنیا کی کسی اور حقیقت سے زیادہ تھا۔ اس کے نزدیک صرف یہی ایک حقیقت تھی اور باقی سب فریب۔ اس کے والدین نے اسے کہا تھا کہ کسی کو زندگی کا ساتھی بنانے سے پہلے اس کے ساتھ محبت ہونا ضروری ہے۔

لیکن ہو سکتا ہے کہ جن لوگوں کو ایسا محسوس ہوتا ہو وہ عالمگیر زبان سے یکسر نابلد ہوں۔ کیونکہ اگر انسان کو یہ زبان آتی ہو تو اسے معلوم ہوتا ہے کہ کوئی اس کا دنیا کے کسی گوشے میں منتظر ہے چاہے وہ صحرا کے بیچوں بیچ ہو یا پھر کسی پر ہجوم شہر میں۔

اور جب اس طرح کے دو انسان ملتے ہیں اور ان کی آنکھیں آپس میں ٹکراتی ہیں تو ماضی اور مستقبل یک دم معدوم ہو جاتے ہیں صرف ایک حقیقت باقی رہ جاتی ہے۔ کہ سب کچھ کسی ایک ذات کا تخلیق کردہ ہے اس نے ہی محبت کو وجود بخشا اور روح کو معرض وجود میں لایا محبت کے بغیر کسی کے بھی خواب اس کے لیے بے معنی ہوتے ہیں۔

"مکتوب۔" لڑکے نے سوچا۔

"اس سے پوچھو۔" انگریز نے اسے جھنجوڑا۔

وہ لڑکی کے قریب گیا تو وہ مسکرا دی۔ لڑکے نے بھی مسکراہٹ کا جواب مسکراہٹ سے دیا "تمہارا نام کیا ہے؟" اس نے پوچھا۔

"فاطمہ۔" لڑکی نے نظریں چراتے ہوئے جواب دیا۔

"اس طرح کے نام تو میرے ملک میں بھی خواتین کے ہوتے ہیں۔"

"یہ نام ہمارے پیغمبر ﷺ کی بیٹی کا تھا۔" فاطمہ نے جواب دیا۔

"یہ نام مسلمان فاتحین کے ساتھ دنیا کے ہر خطے میں پھیل گیا۔" فاتحین کے ذکر پر لڑکی کی خوبصورت آنکھوں میں فخر کے احساسات نظر آئے۔

انگریز کے دوبارہ ٹہوکا دینے پر اس نے لڑکی سے وہی سوال کیا جو اس سے قبل وہ دو مردوں اور ایک عورت سے پوچھ چکا تھا۔

"یہ وہی شخص ہے جسے دنیا کے بہت سارے رازوں سے آگاہی حاصل ہے اور صحرا کے جن بھی اس کے تابع ہیں۔" لڑکی نے جواب دیا۔

اس نے جنوب کی سمت اشارہ کرتے ہوئے بتایا کہ وہ عجیب و غریب انسان ادھر رہتا ہے۔ پھر اس نے اپنا برتن پانی سے بھرا اور واپس چلی گئی۔

لڑکے نے واپس گھوم کر دیکھا تو انگریز بھی غائب تھا۔

لڑکا کنویں کی منڈیر پر بیٹھ گیا۔ وہ سوچنے لگا کہ ایک دن طریفہ میں لیوانتر اس تک اس لڑکی کی مہک لے کر آئی تھی۔ اور وہ اس لڑکی سے اس وقت سے محبت کرتا ہے جب اس کا وجود بھی نہیں تھا۔ اسے لگا کہ اس کی یہ محبت اسے اس قابل بنا دے گی کہ وہ دنیا کے ہر خزانے کو ڈھونڈ نکالے گا۔

اگلے دن لڑکا دوشیزہ سے ملنے کی امید میں کنوئیں پر آیا اسے حیرت ہوئی کہ انگریز اس سے پہلے ہی وہاں موجود تھا اور صحرا کی طرف دیکھ رہا تھا۔

"میں کل شام تک اس کا انتظار کرتا رہا۔" انگریز نے بتایا۔ "وہ پہلے ستارے کی روشنی کے ساتھ ہی ظاہر ہوا تھا۔ میں نے اسے اپنے مقصد سے آگاہ کیا تو اس نے مجھ سے پوچھا کہ کیا کبھی میں نے دھات کو سونے میں ڈھالنے میں کامیابی حاصل کی ہے۔ میں نے اسے بتایا کہ میں اسی مقصد کے لیے ہی تو یہاں آیا ہوں۔ اس نے مجھے کہا "جاؤ اور کوشش کرو۔"

لڑکا خاموش رہا۔ بے چارے انگریز نے صرف یہ جواب سننے کے لیے تو صحرا عبور نہیں کیا تھا۔ جیسے ہی انگریز رخصت ہوا فاطمہ کنوئیں کی طرف آتی ہوئی دکھائی دی۔

"میں تمہیں صرف ایک بات بتانے آیا ہوں کہ میں تم سے شادی کرنا چاہتا ہوں۔"

لڑکی کے ہاتھ سے پانی کا برتن گر گیا۔ پانی میں اتنی طاقت نہیں تھی کہ ریت کا زور توڑ کر بہہ سکے۔

"میں روزانہ اسی جگہ تمہارا انتظار کروں گا۔ میں نے یہ صحرا ایک خزانے کی تلاش میں عبور کیا۔ تب مجھے یہ جنگ ایک آفت لگتی تھی مگر اب یہ میرے لیے رحمت ہے کیونکہ اس کی وجہ سے میری تم سے ملاقات ہوئی ہے۔"





"لڑائی تو ایک دن ختم ہو جائے گی۔" لڑکی بولی۔

لڑکے نے کھجور کے درختوں کی طرف دیکھا۔ اس نے سوچا کہ وہ اس سے قبل ریوڑ چرایا کرتا تھا اور اب دوبارہ وہی کام کر سکتا ہے۔ اس کے لیے فاطمہ ہی دنیا کا سب سے قیمتی خزانہ تھی اور اس کا ساتھ ہی اس کی منزل تھا۔

"قبائلی لوگ ہمیشہ ہی خزانے کے متلاشی رہتے ہیں۔" فاطمہ بولی جیسا کہ اس کو محسوس ہو گیا ہو کہ وہ کیا سوچ رہا تھا۔

"اور صحرا کی عورت کو اپنے مرد پر فخر ہے" اس نے اپنا برتن پانی سے بھرا اور واپس چلی گئی۔

لڑکا ہر روز کنویں پر فاطمہ سے ملنے کے لیے جاتا تھا۔ اس نے فاطمہ کو اپنی زندگی کے بارے میں بتایا۔ بوڑھے شہنشاہ سے اپنی ملاقات کا ذکر کیا اور کرسٹل کی دکان کے بارے میں بتایا۔ وہ بہت جلد ایک دوسرے کے قریب آ گئے۔

سوائے ان پندرہ منٹ کے جو وہ کنوئیں پر فاطمہ کے ساتھ گزارتا تھا پورا دن گزارنا اس کے لیے مشکل ہو جاتا تھا۔

جب قافلے کو نخلستان میں ایک ماہ کا عرصہ ہو گیا تو قافلے کے سردار نے پورے قافلے کو اکٹھا کیا۔

"ہمیں نہیں معلوم کہ لڑائی کب ختم ہو گی۔ اس لیے یہ ناممکن ہے کہ ہم اپنا سفر جاری رکھ سکیں۔" سردار بولا۔

"لڑائی زیادہ طول بھی پکڑ سکتی ہے۔ اور ممکن ہے یہ کئی سال تک جاری رہے۔ دونوں حریف طاقتور ہیں اور لڑائی میں فتح حاصل کرنا دونوں اطراف کا مطلب ہے۔ یہ حق و باطل کی لڑائی نہیں بلکہ ایسی طاقتوں کے درمیان جنگ ہے جن کا مطمع نظر طاقت کا توازن قائم کرنا ہے۔ اور اس طرح کی جنگ زیادہ طویل ہوتی ہے کیونکہ اللہ دونوں کے ساتھ ہوتا ہے۔"

تمام لوگ واپس اپنے اپنے خیموں میں چلے گئے اور لڑکا فاطمہ سے ملنے۔

"اس دن تم نے مجھے کہا تھا کہ تم مجھ سے محبت کرتے ہو؟" فاطمہ نے سوال کیا۔

"اور پھر تم نے مجھے کائنات کی روح اور عالمگیر زبان کے بارے میں بھی بتایا تھا۔ شائد اس لیے میں بھی محسوس کرتی ہوں کہ میں تمہارے وجود کا ایک حصہ ہوں۔"

لڑکا بےکلی سے اس کی بات سن رہا تھا۔ لڑکی کی آواز اس کے لیے اس نغمگی سے بھی خوبصورت تھی جو ہوا کے چلنے کی وجہ سے کھجور کے پتوں سے پیدا ہو رہی تھی۔ "میں شائد اس نخلستان میں ہمیشہ سے تمہاری منتظر بھی تھی۔" لڑکی نے اپنی بات جاری رکھی۔ "میں نے اپنی روایات کو پس پشت ڈال دیا اور یہ بھی بھول گئی کہ صحرا کی خواتین سے کس رویے کی امید کی جاتی ہے۔ بچپن سے مجھے امید تھی کہ اس صحرا کی وسعتوں سے میرے خوابوں کا شہزادہ ایک دن آئے گا۔ اور وہ تم ہو۔"

لڑکے کا دل چاہا کہ وہ بے اختیار فاطمہ کا ہاتھ تھام لے لیکن اس کے دونوں ہاتھ پانی کے برتن کے گرد لپٹے ہوئے تھے۔

"تم نے مجھے اپنے خواب، بوڑھے بادشاہ اور خزانے کے بارے میں بھی بتایا۔" لڑکی بات جاری تھی۔ "اور پھر تم نے مجھے نشانیوں کے بارے میں بھی بتایا۔ اب مجھے کسی بات کی فکر نہیں ہے کیونکہ مجھے معلوم ہے کہ یہی نشانیاں تمہیں میرے پاس لائی ہیں۔ اور میں تمہارے خواب کا حصہ ہوں اور میں ہی تمہاری منزل ہوں۔ اس لیے میری خواہش ہے کہ تم اپنے خزانے کی تلاش جاری رکھو۔ اگر تم لڑائی کے ختم ہونے کا انتظار کرنا چاہتے ہو تو ضرور یہاں رہو۔ ہوا ریت کے ٹیلوں کو جگہ
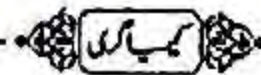
بدلنے پر تو مجبور کر سکتی ہے لیکن صحرا کو نہیں بدل سکتی۔ صحرا ہمیشہ سے صحرا ہی ہے۔ اور یہ ہمیشہ ایسا ہی رہے گا۔ "مکتوب" اگر میں واقعی تمہارے خواب کا حصہ ہوں تو مجھے یقین ہے کہ ایک دن تم میرے پاس واپس لوٹ آؤ گے۔"

لڑکا اس دن بہت اداس تھا۔ اسے رہ رہ کر ان تمام گڈریوں کا خیال آرہا تھا جنہوں نے اپنے گھر بسا لیے تھے۔ انہیں اپنی شریک حیات کو یہ باور کرانے میں انتہائی مشکل ہوئی تھی کہ ویرانے میں جانا ان کے لیے کتنا ضروری تھا۔

"محبت کا تقاضا تھا کہ وہ اپنی محبت کے ساتھ رہیں۔" اس نے اگلے دن فاطمہ کو بتایا۔

"یہ صحرا گواہ ہے کہ ہمارے مرد ہمیشہ اس کو اپنے قدموں تلے روندتے رہے ہیں اور وہ کبھی کبھی واپس بھی نہیں آتے۔ اور ہم خواتین اس چیز کی عادی ہیں۔ جو واپس نہیں آتے وہ بادلوں کا حصہ بن جاتے ہیں جو کڑکتی دھوپ میں سایہ فراہم کرتے ہیں۔ یا اس پانی میں شامل ہو جاتے ہیں جو بنجر زمین کو سیراب کرتا ہے۔ وہ ہر ایک شے میں شامل ہو جاتے ہیں۔ وہ کائنات کی روح میں واپس لوٹ جاتے ہیں۔ کچھ لوگ واپس لوٹ آتے ہیں اور باقی خواتین کو پھر بھی آس رہتی ہے کہ ایک دن ان کے مرد بھی واپس ضرور آئیں گے۔ مجھے ان خواتین کی آس ہمیشہ اچھی لگتی تھی۔ اور اب میں بھی ان کا حصہ بننا چاہتی ہوں جو اپنے مردوں کے انتظار میں لگے رہتی ہیں۔ میں اس صحرا کی بیٹی ہوں اور مجھے اس بات پر فخر ہے۔ میری خواہش ہے کہ میرا خاوند اسی طرح آزاد ہو جیسی یہ ہوا۔ اور کبھی ایسا موقع آیا تو میں بھی یہ قبول کرلوں گی کہ وہ بھی اس کائنات کی ہر شے میں شامل ہو جائے۔"

لڑکا انگریز کی تلاش میں تھا۔ وہ اسے فاطمہ کے بارے میں بتانا چاہتا تھا۔ اس نے حیرت سے دیکھا کہ انگریز نے اپنے خیمے کے باہر ایک بھٹی بنائی تھی۔ اس بھٹی کے اوپر ایک شیشے کی صراحی رکھی تھی اور نیچے لکڑیوں کی آگ جل رہی تھی۔ صحرا کی طرف دیکھتے ہوئے انگریز کی آنکھوں میں وہ چمک تھی جو کتابیں پڑھتے وقت مفقود تھی۔

"یہ کام کا پہلا مرحلہ ہے۔" وہ بولا۔

"مجھے گندھک علیحدہ کرنا ہے۔ اس کام کو کامیابی سے سرانجام دینے کے لیے ضروری ہے کہ میرے دل میں ناکامی شائبہ تک نہ آئے۔ یہ ناکامی کا خوف ہی تھا جس نے مجھے اس کام سے باز رکھا۔ میں نے آج اس کام کی ابتدا کی ہے جو میں آج سے دس سال قبل کر سکتا تھا لیکن مجھے خوشی اس بات کی ہے کہ میرے بیس سال نہیں گزرے۔"

وہ مسلسل آگ روشن رکھے ہوئے تھا۔

لڑکا خاموشی سے اسے دیکھتا رہا۔

جب ڈوبتے سورج کی سرخی سے صحرا کی ریت نے بھی لالی چرائی تو اس نے سوچا کہ وہ صحرا میں نکل جائے یہ آزمانے کے لیے کہ کیا صحرا کی خاموشی میں اس کے تمام سوالات کے جواب پوشیدہ ہیں یا نہیں۔

وہ کچھ دیر تک صحرا میں آوارہ گردی کرتا رہا لیکن نگاہیں نخلستان پر رکھیں وہ ہوا کی سرسراہٹ سن سکتا تھا اور اپنے قدموں کے نیچے آنے والے پتھروں کی بھی۔
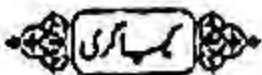




کہیں کہیں اسے سیپیاں بھی نظر آئیں اس سے اس نے اندازہ لگایا کہ کبھی یہ صحرا بھی سمندر رہا ہوگا۔

وہ ایک پتھر پر بیٹھ گیا اور افق کے مسحور کن نظارے سے لطف اندوز ہونے لگا۔ وہ محبت اور ملکیت کے فرق پر غور کر رہا تھا مگر دونوں میں تفریق کرنے سے قاصر تھا۔

فاطمہ دختر صحرا تھی اور اس کو سمجھنے کے لیے صحرا کو سمجھنا ضروری تھا۔

جب وہ اپنے خیالات میں مستغرق تھا تو اسے اپنے سر کے اوپر حرکت محسوس ہوئی۔ اس کے اوپر صحرائی بازوں کا ایک جوڑا محو پرواز تھا۔ وہ ہوا کے دوش پر تیرتے بازوں کو دیکھتا رہا۔ اگرچہ ان کی پرواز میں کوئی ربط نہیں تھا لیکن وہ اس سے کچھ محسوس کر سکتا تھا۔ مگر اسے الفاظ کا روپ دینے سے قاصر تھا۔ وہ ان کی پرواز کا بغور مطالعہ کرنے لگا تا کہ اس سے کوئی معنی اخذ کر سکے۔ شاید یہ باز اس پر محبت بغیر ملکیت' کو واضح کر رہے تھے۔

اس نے محسوس کیا کہ اسے نیند آرہی ہے۔ اس نے بیدار رہنے کی بھرپور کوشش کی لیکن وہ بیک وقت سونا بھی چاہتا تھا۔

"میں عالمگیر زبان سیکھ رہا ہوں۔" اس نے سوچا۔

"دنیا کی ہر شے اب میرے لیے ایک مفہوم رکھتی ہے..... یہاں تک کہ بازوں کی پرواز بھی" اس نے اپنے آپ سے کہا۔ اس نے سوچا کہ یہ محبت کا کرشمہ ہی ہے کہ ہر چیز اب اس کے لیے معنی رکھتی ہے۔

اچانک ایک باز نے غوطہ لگایا اور دوسرے پر جھپٹا۔ اس کے ساتھ ہی ایک تصویر لڑکے کے ذہن کے پردہ سکرین پر چمکی۔ ایک فوج بے نیام تلواروں کے ساتھ نخلستان پر حملہ آور ہو رہی تھی۔ یہ تصویر پلک جھپکتے ہی میں غائب ہو گئی۔ لیکن اپنا اثر چھوڑ گئی۔

لڑکا کانپ رہا تھا۔ اس نے لوگوں سے سنا تھا کہ انسان کو صحرا میں سراب نظر آتے ہیں۔ اسے خود بھی اس کا تجربہ ہو رہا تھا۔

سراب دراصل انسان کی غیر تکمیل شدہ خواہشات ہیں۔ جو اتنی شدت رکھتی ہیں کہ انسان کو لگتا ہے کہ زمین پر ان کا وجود ہے۔

اس نے ایک بار پھر صحرا کی سنہری ریت پر توجہ دینے کی کوشش کی لیکن اس کے دل میں کچھ ایسی بے چینی تھی جو اس کی توجہ کو مرکوز ہونے سے روک رہی تھی۔ اس نے کوشش کی کہ اس تصویر کو بھلا دے اور دوبارہ اپنے ذہن کو مرکوز کر سکے۔

"ہمیشہ نشانیوں کی رہنمائی میں اپنا راستہ تلاش کرو۔" بوڑھے بادشاہ کے الفاظ اس کے کانوں میں گونجے۔

لڑکے نے تصور میں نظر آنے والے واقعے کو دوبارہ یاد کیا اور محسوس کیا کہ یہ واقعہ حقیقت میں ظہور پذیر ہونے والا ہے۔ وہ اٹھا اور کھجور کے درختوں کی طرف چل پڑا۔ ایک بار پھر اس نے محسوس کیا کہ ہر ایک چیز کی کئی زبانیں ہیں۔ اس دفعہ صحرا تو محفوظ تھا لیکن نخلستان خطرے میں تھا۔

ہدی بان کھجور کے درخت کے پاس بیٹھا غروب آفتاب کا نظارہ کر رہا تھا۔ اس نے لڑکے کو ٹیلے کے دوسری جانب سے آتے ہوئے دیکھا۔

"نخلستان پر ایک فوج حملہ آور ہونے والی ہے۔" وہ ہدی بان کو مخاطب کر کے بولا۔

"میں نے اس کی جھلک دیکھی ہے۔"

"صحرا کی یہی خوبی ہے کہ وہ انسان کے ذہن میں بہت ساری تصویریں بناتا ہے۔" ہدی بان نے جواب دیا۔

لڑکے نے اسے صحرائی بازوں کے بارے میں بتایا کہ کس طرح وہ ان کی پرواز کا مشاہدہ کر رہا تھا کہ اچانک اس کی رسائی ایک لمحے کے لیے کائنات کی روح تک ہوگئی جہاں اس نے وہ منظر دیکھا جو مستقبل میں ہونے والا تھا۔

ہدی بان فوراً لڑکے کی بات سمجھ گیا۔ اسے معلوم تھا کہ دنیا میں موجود ہر شے خدا کے حکم پر اس بات پر قادر تھی کہ مستقبل کو لوگوں پر ظاہر کر دے۔ کوئی اس کا تجربہ کسی کتاب کو پڑھ کر کر سکتا ہے اور کوئی پتوں کو پلٹ کر یا پھر ہاتھوں کی زبان پڑھ کر یا پھر صرف پرندوں کی پرواز کا مشاہدہ کر کے۔ مشاہدے کا ذریعہ کوئی بھی ہو۔ اگر خدا کا حکم ہو تو انسان مستقبل کی جھلک دیکھ سکتا ہے۔

قبائلی لوگ مستقبل کا حال بتانے والوں سے مشورہ کرنے سے گریز کرتے ہیں۔

ان کا خیال ہے کہ اگر انہیں اس بات کا علم ہو جائے کہ اس لڑائی میں ان کا انجام موت ہے تو پھر وہ لڑائی میں اپنا کردار ادا نہیں کر سکتے۔ وہ اس بات کو ترجیح دیتے ہیں کہ لڑائی میں اپنی بہادری کے جوہر دکھائیں بغیر یہ جانے کہ لڑائی کا نتیجہ کیا ہوگا۔

مستقبل کا حال تو صرف اللہ کو ہی معلوم ہے اور لوح محفوظ پر لکھا ہے۔ اور اس نے جو بھی لکھا ہے انسان کی فلاح اسی میں ہے کیونکہ اللہ عادل ہے اور رحیم ہے۔ وہ انسان پر اپنی رحمت کا سایہ کیے ہوئے ہے۔ وہ انسان کی قسمت میں کچھ ایسا نہیں لکھ سکتا جو اس کے لیے نقصان دہ ہے۔ یہ تو انسان کے اپنے اعمال ہیں جن کی وجہ سے وہ اپنے آپ کو مصیبت سے دوچار کر لیتا ہے۔

اس لیے صحرائی لوگ صرف حال میں زندہ رہتے ہیں۔ حال اچانک ظاہر ہونے والے واقعات سے بھرا ہوا ہے اور انہیں بہت سارے خطرات کے لیے ہر وقت تیار رہنا ہوتا ہے۔ دشمن کی تلوار کہاں تھی؟ اس نے گھوڑا کہاں باندھا تھا؟۔ اسے دشمن پر کیسی ضرب لگانی چاہیے کہ وہ خود زندہ رہ سکے؟

ہدی بان چونکہ جنگجو نہیں تھا اس لیے اس نے مستقبل کا حال بتانے والوں سے کئی مرتبہ مشورہ کیا تھا۔ ان میں سے کچھ تو سچ بتاتے تھے جب کہ اکثر غلط تھے۔ ایک دفعہ جب اس نے ایک طویل عمر جوتشی سے مشورہ کیا تو اس نے سوال کیا کہ وہ مستقبل کا حال جاننے میں اتنی دلچسپی کیوں رکھتا تھا۔





"میں مستقبل کے بارے میں اس لیے جاننا چاہتا ہوں کہ میں مرد ہوں۔" ہدی بان نے جواب دیا۔

"اور مرد اپنی زندگیوں کی منصوبہ بندی اپنے مستقبل کو پیش نظر رکھ کر کرتے ہیں۔"

"اور اس لیے بھی کہ میں جن چیزوں کا ہونا اپنے لیے صحیح نہیں سمجھتا ان کو بدل سکوں!"

"تب وہ تمہارے مستقبل کا حصہ نہیں ہوں گی۔" جوتشی بولا۔

"اگر تمہارے ساتھ کوئی حادثہ ہونے والا ہے اور تمہیں اس کی پیشگی خبر ہے تو وہ اپنے وقوع پذیر ہونے سے پہلے ہی تمہیں ایذا پہنچائے گا۔"

جوتشی اس بات میں مہارت رکھتا تھا کہ ریت پر چھڑیاں پھینکتا اور ان کے گرنے کے انداز سے واقعات کے ظہور پذیر ہونے کی پیشین گوئی کرتا تھا۔

اس دن اس نے کوئی پیشین گوئی نہ کی۔ اس نے اپنی چھڑیوں کو کپڑے میں لپیٹا اور واپس اپنے تھیلے میں رکھ لیا۔

"میری گزر اوقات لوگوں کے حالات کی پیشین گوئی کرنے پر ہے۔" جوتشی بولا۔

"میں چھڑیوں کے استعمال میں مہارت رکھتا ہوں۔ مجھے معلوم ہے کہ کس طرح ان کے استعمال سے میں اس جگہ کو دیکھ سکتا ہوں جہاں ہر چیز لکھی ہوئی ہے۔ میں یہ تو دیکھ سکتا ہوں کہ ماضی میں کیا ہوا ہے۔ لیکن میں مستقبل کے بارے میں صرف قیافہ شناسی کرتا ہوں۔ مستقبل کا حال تو صرف خدا کو معلوم ہے اور یہ صرف اللہ ہی ہے کہ اگر چاہے تو اس کا محدود علم کسی انسان کو دے دے۔ میں مستقبل کی بارے میں قیافہ شناسی کرتے ہوئے نشانیوں کا سہارا لیتا ہوں جو حال میں موجود ہیں۔ راز صرف حال میں ہے۔ اگر تم حال پر توجہ دو تو تم اس کو بدل سکتے ہو۔ اس لیے جو اس کے بعد آئے گا تو وہ بہتر ہی ہوگا۔ اس لیے مستقبل کی فکر بھول جاؤ اور حال میں اس اعتماد کے ساتھ زندہ رہو کہ اللہ کو اپنے بندوں سے بہت پیار ہے۔"

"وہ کیا حالات ہوں گے جب اللہ مجھ پر میرا مستقبل آشکار کر دے گا؟" ہدی بان نے جوتشی سے پوچھا۔

"جب وہ چاہے۔ اللہ صرف کبھی کبھار ایسا کرتا ہے اور جب بھی وہ کسی انسان کو غیب کا علم دیتا ہے تو اس کی ایک ہی وجہ ہوتی ہے۔ وہ یہ کہ مستقبل کے بارے میں جو لکھا تھا اس مقصد سے لکھا تھا کہ تبدیل ہوگا۔"

"خدا نے لڑکے کو مستقبل کی ایک جھلک دکھائی تھی۔" ہدی بان نے سوچا۔

خدا نے اس لڑکے کو ایسا کیوں بنایا؟

"جاؤ اور قبیلے کے سردار کو اس کی خبر دو۔" ہدی بان نے لڑکے کو ہدایت کی۔

"وہ لوگ میرا مذاق اڑائیں گے۔" لڑکے نے جواب دیا۔

"وہ صحرا کے باسی ہیں اور صحرا کے باسی جانتے ہیں کہ نشانیوں کا کیا مطلب ہوتا ہے۔"

"تب تو وہ پہلے سے ہی اس بارے میں جانتے ہوں گے کہ نخلستان پر حملہ ہونے والا ہے۔" لڑکے نے جواب دیا۔

"انہیں شاید اس بات کی فکر اب تک نہیں ہے۔ انہیں یقین ہے کہ اللہ اگر ان تک کوئی خبر پہنچانا چاہتا ہے تو وہ انہیں اس کی اطلاع ضرور کسی کے ذریعے پہنچا دے گا۔ اس سے قبل بھی کئی دفعہ ایسا ہو چکا ہے اور اس دفعہ وہ خبر پہنچانے والے تم ہو۔"

لڑکے کو فاطمہ کا خیال آ گیا۔ اس نے فیصلہ کیا کہ وہ قبیلے کے سردار کو ضرور یہ خبر پہنچا دے گا۔

......❁......

لڑکے کا سامنا محافظ سے ہوا جو نخلستان کے قلب میں نصب خیمے کے دروازے پر پہرہ دے رہا تھا۔ "میں سردار سے ملنا چاہتا ہوں۔" اس نے محافظ سے کہا۔

محافظ کوئی جواب دیئے بغیر خیمے کے اندر چلا گیا اور کچھ دیر کے بعد سفید لباس میں ملبوس ایک نوجوان کے ساتھ باہر آیا۔ لڑکے نے اسے بتایا کہ اس نے کیا دیکھا تھا۔ نوجوان اسے انتظار کرنے کا کہہ کر دوبارہ خیمے کے اندر چلا گیا۔

رات پڑ چکی تھی اور کثیر تعداد میں تاجر اور جنگجو خیمے میں آ جا رہے تھے۔ ایک ایک کر کے آگ کے الاؤ بجھ رہے تھے اور تھوڑی دیر کے بعد نخلستان میں صحرا جیسی خاموشی چھا گئی۔ اس وقت لڑکے کے ذہن میں صرف فاطمہ کا خیال تھا وہ اب تک اس کی گفتگو کا آخری حصہ سمجھنے سے قاصر تھا۔ آخر کئی گھنٹوں کے صبر آزما انتظار کے بعد محافظ نے لڑکے کو اندر جانے کا حکم دیا۔ خیمے کا اندرونی منظر دیکھ کر اس کی عقل دنگ رہ گئی۔ اس کے خواب و خیال میں بھی نہیں تھا کہ صحرا کے بیچوں بیچ کوئی ایسا خیمہ بھی موجود ہو گا۔

خیمے کا فرش ایسے خوبصورت قالینوں سے ڈھکا ہوا تھا جو آج تک اس کی نظر سے نہیں گزرے تھے۔ درمیان میں سونے کے فانوس لٹک رہے تھے جن کے اندر موم بتیاں روشن تھیں۔ قبائل کے سردار نیم دائرے کی شکل میں ریشم کے گاؤ تکیوں کے ساتھ ٹیک لگا کر بیٹھے ہوئے تھے۔ ملازم چاندی کی طشتریوں میں خشک میوہ اور قہوہ پیش کر رہے تھے اور کچھ حقے میں آگ کو تازہ رکھنے میں مصروف تھے۔ فضا میں دھوئیں کی بھینی سی مہک تھی۔

خیمے میں آٹھ سردار موجود تھے لیکن لڑکے نے اپنی ذہانت سے اندازہ لگایا کہ ان میں کونسا سردار سب سے زیادہ رتبے کا مالک تھا وہ سفید اور سنہری لباس میں ملبوس تھا اور نیم دائرے کے درمیان میں بیٹھا ہوا تھا اس کے ایک پہلو میں وہی نوجوان موجود تھا جس سے اس کی ملاقات خیمے کے باہر ہوئی تھی۔

"یہ کون ہے جو نشانیوں کی زبان جاننے کا دعویٰ رکھتا ہے۔" ایک سردار نے لڑکے پر نظریں جماتے ہوئے پوچھا۔

"میں" لڑکے نے جواب دیا۔

اور پھر اس نے پورا واقعہ تفصیل سے بیان کر دیا۔





"صحرا آخر کار اپنا آپ ایک اجنبی پر کیوں ظاہر کرے گا جبکہ اسے معلوم ہے کہ ہم نسلوں سے اس کے باسی ہیں۔" ایک اور سردار بولا۔ "کیونکہ میری نگاہیں ابھی تک صحرا کی عادی نہیں ہوئیں" لڑکے نے فوراً جواب دیا۔

"میں اس چیز کو بھی محسوس کر سکتا ہوں جسے صحرا نشین شاید نظر انداز کر دے۔"

اور اسی لیے بھی کہ میں کائنات کی روح کو سمجھ سکتا ہوں۔ اس نے اپنے آپ سے کہا۔

"نخلستان ایک غیر متنازعہ علاقہ ہے اور کوئی بھی اس پر حملہ کرنے کی غلطی نہیں کر سکتا۔" تیسرا سردار بولا۔

"میں تو صرف اتنا بتا سکتا ہوں جو میں نے دیکھا ہے اگر آپ اس پر یقین نہیں کرنا چاہتے تو آپ کی مرضی۔" خیمے میں بحث شروع ہو گئی۔

وہ لوگ ایسے لہجے میں عربی بول رہے تھے جو لڑکے کو سمجھ نہیں آ رہی تھی جب وہ جانے کے ارادے سے واپس مڑنے لگا تو محافظ نے اسے رکنے کا اشارہ کیا۔ لڑکے پر خوف طاری ہو گیا علامات اس بات کی نشاندہی کرتی تھی کہ کچھ غلط ہونے والا ہے اسے افسوس ہونے لگا کہ اس نے اس واقعے کا ذکر ہی بیان سے کیوں کیا تھا۔

پھر درمیان میں بیٹھے ہوئے سردار کے چہرے پر مسکراہٹ نظر آئی اور لڑکے کو کچھ اطمینان ہوا۔ یہ سردار اب تک کی بحث میں بالکل خاموش رہا تھا۔ لڑکے کو کیونکہ عالم گیر زبان کی سدھ بدھ تھی اس لیے اسے احساس تھا کہ خیمے کی پرسکون فضا میں اس کے آنے سے یکدم ارتعاش پیدا ہو گیا ہے۔ اب وجدان اسے بتاتا تھا کہ یہاں آ کر اس نے صحیح فیصلہ کیا تھا۔

بحث ختم ہو چکی تھی۔ تمام سردار خاموشی سے سردار کی بات سننے کے لیے ہمہ تن گوش تھے۔ سردار لڑکے کی طرف متوجہ ہوا۔ اس کا چہرہ بالکل سپاٹ تھا۔ "دو ہزار سال قبل بھی ایک نوجوان ایسا گزرا ہے جو خوابوں پر یقین رکھتا تھا۔" بوڑھے سردار نے پہلی بار بولتے ہوئے کہا۔

"اس کو پہلے ایک کنوئیں میں پھینکا گیا اور پھر غلام بنا کر فروخت کر دیا گیا۔ ہمارے جیسے تاجروں نے اسے خریدا اور اسے مصر لے آئے۔ اور ہمارا اعتقاد ہے کہ جو کوئی بھی خوابوں پر یقین رکھتا ہے اسے ان کی تعبیر بھی معلوم ہوتی ہے۔" بوڑھے نے اپنی بات جاری رکھی۔

"جب فرعون نے خواب میں دیکھا کہ کچھ گائیں فربہ تھیں اور کچھ بہت کمزور۔ تو اس نوجوان نے مصر کو ایک خوفناک قحط سے بچا لیا۔ اس نوجوان کا نام یوسف تھا۔ وہ بھی اس سرزمین میں تمہاری طرح اجنبی تھا۔ اور شاید تمہاری ہی عمر کا تھا۔"

سردار نے کچھ دیر توقف کیا۔ اس کی نگاہوں میں ابھی تک اجنبیت تھی۔

"ہم لوگ روایت کی پاسداری کرتے ہیں اور روایت نے ہی ان دنوں میں مصر کو قحط سے بچا لیا تھا۔ اور مصر والے امیر ترین لوگ بن گئے۔ روایت ہی سے ہمیں یہ معلوم ہوتا ہے کہ ہم نے اس صحرا کو کیسے عبور کرنا ہے اور ہم نے اپنے بچوں کی شادیاں کیسے کرنی ہیں۔ روایت ہی ہمیں یہ سکھاتی ہے کہ نخلستان ایک غیر متنازعہ علاقہ ہے۔ کیونکہ دونوں اطراف میں نخلستان موجود ہیں اور دونوں ہی فریق یکساں طور پر زد پذیر ہیں۔"

خیمے میں مکمل سکوت تھا اور تمام لوگ بوڑھے سردار کی بات بغور سن رہے تھے۔ "اور روایت ہی ہمیں سکھاتی ہے کہ ہم صحرا کی آواز ہیں، ہمارا تمام علم اسی صحرا کی دین ہے۔"

سردار نے اشارہ کیا اور تمام لوگ کھڑے ہو گئے۔ یہ ملاقات کے اختتام کا اعلان تھا۔ ملازموں نے حقے بجھا دیے اور محافظ مؤدب کھڑے ہو گئے۔ لڑکا بھی جانے کو تیار تھا کہ اس دوران سردار دوبارہ بولا۔

"کل ہم وہ معاہدہ توڑ دیں گے جس کے مطابق نخلستان میں ہتھیار اٹھانا ممنوع ہے۔ ہم تمام دن دشمن کا انتظار کریں گے۔ اور سورج غروب ہونے کے ساتھ ہی تمام لوگ دوبارہ اپنے ہتھیار پھینک دیں گے۔ دشمن کی ہر دس لاشوں پر تمہیں سونے کا ایک سکہ ملے گا۔ اگر ہتھیاروں کو زیادہ دیر تک استعمال نہ کیا جائے تو انہیں زنگ لگ جاتا ہے۔ اور اگر ان میں سے ایک بھی ہتھیار کل استعمال نہ ہوا تو وہ تم پر استعمال کیا جائے گا۔"

جب لڑکا خیمے سے باہر نکلا تو نخلستان میں صرف چاند کی روشنی تھی۔ وہ اپنے خیمے سے بیس منٹ کی مسافت پر تھا۔ اس نے آہستہ آہستہ اپنے خیمے کی طرف قدم اٹھانا شروع کیے۔ وہ ابھی تک پیش آمدہ واقعات کے اثر سے نہیں نکل سکا تھا۔

وہ کائنات کی روح تک تو پہنچنے میں کامیاب ہو گیا تھا۔ لیکن شائد اس کو اس بات کی قیمت اپنی زندگی کی صورت میں ادا کرنی پڑ رہی تھی۔ وہ خوفزدہ تھا۔

لیکن وہ تو تمام عمر ہی خطرناک قدم اٹھاتا آیا تھا۔ اور بقول ہدی بان کے آج کے دن مرنا کل کی موت سے برا نہیں تھا۔ ہر دن اس بات کا متقاضی تھا کہ اسے جیا جائے۔

تمام دنیا کا محور ایک لفظ تھا "مکتوب"

اسے کوئی پشیمانی نہیں تھی۔ اگر کل وہ مارا بھی گیا تو اس کا مطلب یہ ہوگا کہ خدا کو مقصود نہیں تھا کہ مستقبل کو تبدیل کیا جا سکے۔ مرنے سے قبل کم از کم اس نے سمندر عبور کیا تھا۔ کرسٹل کی دکان میں کام کیا تھا۔ یہ طویل صحرا عبور کیا تھا اور سب سے بڑھ کر یہ کہ فاطمہ کی گہری کالی آنکھوں کی ایک جھلک دیکھی تھی۔ اپنا گھر چھوڑنے کے بعد اس نے ہر دن کو بھرپور انداز میں جیا تھا۔

اس نے اب تک وہ کچھ دیکھا تھا جس کا دوسرے چرواہے تصور بھی نہیں کر سکتے تھے اور اسے اس بات پر فخر تھا۔ یک دم ایک دھماکہ ہوا اور وہ زمین پر گر گیا۔ فضا میں دھول کی اتنی دبیز تہہ جمی ہوئی تھی کہ چاند کی روشنی مدھم پڑ گئی تھی۔ اس کے سامنے ایک جسیم قسم کا سفید گھوڑا کھڑا تھا۔

جب دھول کی تہہ کچھ کم ہوئی تو لڑکے نے خوفزدہ کر دینے والا منظر دیکھا۔

گھوڑے کے پہلو میں سیاہ کپڑوں میں ملبوس ایک طویل قامت آدمی کھڑا تھا۔ اس کے کندھے پر باز بیٹھا ہوا تھا۔ اس کے سر پر پگڑی تھی اور اس کا منہ کالے رومال سے ڈھکا ہوا تھا۔ وہ صحرا کا پیامبر لگتا تھا۔ اس کی شخصیت صحرا کے روایتی پیامبروں سے زیادہ متاثر کن تھی۔ سیاہ پوش آدمی نے گھوڑے کی زین کے ساتھ باندھی میان سے ایک بہت بڑی تلوار نکالی۔ تلوار چاند کی روشنی میں چمک رہی تھی۔
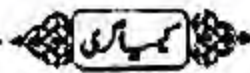




"کس میں اتنی ہمت ہے کہ وہ بازوں کی پرواز کو پڑھ سکے؟" اس کی آواز کی گونج پورے نخلستان میں سنائی دی۔

"وہ میں ہوں جس نے یہ جرأت کی ہے" لڑکے نے جواب دیا۔

اس کے ذہن میں سن تیاگو میٹا موروس کی تصویر تھی جو اپنے سفید براق گھوڑے پر سوار ہے اور گھوڑے کے سم نیچے پڑے ہوئے دشمن کی چھاتی پر ہیں۔ یہ آدمی بھی بالکل اسی طرح لگ رہا تھا فرق صرف یہ تھا کہ کردار اب بدل چکے تھے۔

"میں نے یہ جرأت کی۔" اس نے دہرایا اور اپنا سر نیچے کر کے اپنے آپ کو تلوار کا وار وصول کرنے کے لیے تیار کر لیا۔

"بہت ساری قیمتی جانیں صرف اس لیے بچ جائیں گی کیونکہ میں نے کائنات کی روح تک رسائی حاصل کر لی تھی"۔

تلوار اس کی گردن پر نہیں گری تھی بلکہ اجنبی نے تلوار کی نوک سے اس کی تھوڑی اوپر کو اٹھائی۔ خون کا ایک قطرہ نکل کر ریت میں جذب ہو گیا۔

گھوڑسوار بالکل خاموش تھا اور یہی حال لڑکے کا تھا۔ اس کے ذہن میں ایک بار بھی یہ خیال نہیں آیا تھا کہ اسے اٹھ کر بھاگ جانا چاہیے۔ اس کے دل میں ایک عجیب قسم کی طمانیت تھی۔ وہ اپنی منزل کی تلاش میں موت کے انتہائی قریب پہنچ گیا تھا اور فاطمہ کی تلاش میں۔

آخرکار علامت سچ ثابت ہو گئی تھی اور اب وہ اپنے دشمن کے سامنے تھا لیکن اسے موت کا کوئی ڈر نہیں تھا۔ کائنات کی روح اس کی منتظر تھی اور وہ جلد ہی اس کا ایک حصہ ہوگا اور ایسا ہی اس کے دشمن کے ساتھ ہونے والا تھا۔ اجنبی کی تلوار لڑکے کی تھوڑی کے نیچے تھی۔

"تم نے پرندوں کی پرواز سمجھنے کی جرأت کیوں کی؟"

"میں نے صرف اس کا مشاہدہ کیا جو مجھے پرندے بتانے کی کوشش کر رہے تھے۔ وہ اس نخلستان کو بچانا چاہتے تھے۔ کل کا دن تم سب کے لیے موت کا پیغام لائے گا کیونکہ یہاں تم سے زیادہ تعداد میں مرد موجود ہیں۔" تلوار اپنی جگہ پر موجود تھی۔

"تم اللہ کی مرضی بدلنے والے کون ہوتے ہو؟"

"اللہ نے فوجوں کو پیدا کیا ہے اور اسی نے پرندوں کو تخلیق کیا ہے۔ اس اللہ نے ہی مجھے پرندوں کی زبان سکھائی ہے۔ سب کچھ اسی ایک ہاتھ کا تحریر کردہ ہے۔" لڑکے نے جواب دیا۔ اس کے ذہن میں ہدی بان کی آواز گونج رہی تھی۔

گھوڑسوار نے تلوار پیچھے کھینچ لی اور لڑکے کو یک دم سکون کا احساس ہوا۔

"پیشین گوئیاں کرتے ہوئے احتیاط کرو۔ جب ایک چیز لکھی گئی ہے تو یہ ناممکن ہے کہ اس کو تبدیل کیا جا سکے۔" گھوڑسوار بولا۔

"میں نے صرف فوج کی یلغار دیکھی ہے"۔ لڑکے نے جواب دیا۔ "میں نے لڑائی کا انجام نہیں دیکھا۔"

اجنبی اس کے جواب سے مطمئن نظر آتا تھا۔

"ایک اجنبی اس سرزمین پر کیا کر رہا ہے"۔ گھوڑ سوار بولا۔

"میں اپنی منزل کی تلاش میں آیا ہوں مگر تم اس بات کو نہیں سمجھ سکو گے"۔ گھوڑ سوار نے تلوار واپس میان میں رکھ لی۔ لڑکے نے سکھ کا سانس لیا۔

"میں نے تمہاری جرأت کا امتحان لینا تھا"۔ گھوڑ سوار بولا۔

"جرأت ہی بنیادی خوبی ہے کائنات کی زبان سمجھنے کے لیے"۔ لڑکے کو حیرت ہوئی کہ گھوڑ سوار ایسی بات کر رہا تھا جس کا علم بہت کم لوگوں کو تھا۔

"اتنا دور آنے کے بعد تم کبھی ہمت نہ ہارنا"۔ اس نے بات جاری رکھی۔

"صحرا سے پیار کرو لیکن اس پر اندھا اعتماد نہ کرنا۔ کیونکہ صحرا ہمیشہ مردوں کا امتحان لیتا ہے۔ یہ ہر قدم پر چیلنج کرتا ہے اور جن کے قدم بہک جاتے ہیں انہیں ہلاک کر دیتا ہے"۔

"اگر جنگجو نخلستان پر حملہ آور ہوں اور شام تک تمہارا سر تمہاری گردن پر سلامت رہے تو مجھے تلاش کرنا"۔ گھوڑ سوار بولا۔ اس کے ہاتھ میں تلوار کی بجائے اب کوڑا تھا۔ گھوڑے نے زقند بھری اور فضا میں دھول بکھر گئی۔

"تم کہاں رہتے ہو؟" لڑکے نے سوال کیا۔

کوڑے والا ہاتھ جنوب کی طرف اٹھا۔ لڑکا سمجھ گیا کہ اس کی ملاقات کیمیا گر سے ہوئی ہے۔

اگلے دن دو ہزار مسلح افراد العیوم میں پھیل چکے تھے۔ دوپہر سے قبل افق کے قریب پانچ سو کے قریب قبائلی نمودار ہوئے۔ یہ لوگ شمال کی جانب سے نخلستان میں داخل ہوئے۔ بظاہر یہ دستہ پرامن نظر آتا تھا مگر تمام لوگوں نے کپڑوں میں ہتھیار چھپا رکھے تھے۔ جب وہ نخلستان کے قلب میں سفید خیمے کے پاس پہنچے تو یکدم انہوں نے اپنی تلواریں اور بندوقیں نکالیں اور خیمے پر حملہ آور ہوئے۔ لیکن خیمہ خالی تھا۔

اہل نخلستان نے انہیں گھیرے میں لے لیا اور آدھے گھنٹے کے بعد ایک کے سوا تمام حملہ آور مردہ حالت میں نخلستان کی ریت پر پڑے ہوئے تھے۔

تمام بچوں کو نخلستان کی دوسری طرف کھجور کے درختوں کے پیچھے رکھا گیا تھا اور وہ کچھ بھی دیکھنے سے قاصر تھے۔ خواتین اپنے خیموں میں مردوں کی کامیابی کے لیے دعا گو تھیں۔ سوائے ریت پر پڑی لاشوں کے ہر چیز معمول کے مطابق تھی۔





زندہ بچنے والا قبائلی اس دستے کا کمانڈر تھا۔ دوپہر کو اسے سرداروں کے سامنے پیش کیا گیا۔ جب اس سے پوچھا گیا کہ انہوں نے روایت کو کیوں توڑا تو اس نے جواب دیا کہ اس کی فوج کئی روز سے فاقہ کشی کر رہی تھی اور انسان، جانور پیاسے تھے۔ مجبوراً انہوں نے فیصلہ کیا کہ نخلستان پر قبضہ کریں تاکہ جنگ کو جاری رکھ سکیں۔

سردار بولا کہ اسے لوگوں کی ہلاکت کا افسوس ہے مگر روایت زیادہ مقدس تھی۔ اس نے حکم دیا کہ کمانڈر کو ذلت آمیز موت دی جائے۔ گولی یا تلوار سے مارنے کی بجائے اسے ایک درخت کے ساتھ لٹکا دیا گیا۔

بوڑھے سردار نے لڑکے کو بلایا اور اسے پچاس سونے کے سکے دیے اور اس کے سامنے یوسف علیہ السلام کی کہانی دہرائی۔ اور اسے نخلستان کا مشیر مقرر کر دیا۔

جب سورج غروب ہو چکا تو لڑکے نے جنوب کی جانب چلنا شروع کیا۔ کچھ فاصلے پر اسے اکیلا خیمہ نظر آیا۔ قریب سے گزرنے والے لوگوں نے اسے منع کیا کہ یہ جگہ سحر زدہ تھی۔ اور وہاں جنوں کا بسیرا تھا لیکن لڑکے پر ان کی باتوں کا کوئی اثر نہیں ہوا اور وہ کسی کا انتظار کرنے لگا۔

جب چاند کافی اوپر آ چکا تو اسے کیمیا گر ایک جانب سے آتا دکھائی دیا۔ اس کے کندھوں پر دو مردہ باز تھے۔

"میں آ گیا ہوں"۔ لڑکا بولا۔

"تمہیں نہیں آنا چاہیے تھا"۔ کیمیا گر بولا۔ "شاید تمہیں تمہاری منزل یہاں تک کھینچ لائی ہے"۔

"قبائل کے درمیان لڑائی کی صورت میں صحرا کو عبور کرنا ناممکن تھا لیکن پھر بھی میں یہاں تک پہنچ گیا ہوں"۔ لڑکے نے جواب دیا۔

کیمیا گر اپنے گھوڑے سے نیچے اترا اور لڑکے کو خیمے کے اندر آنے کا اشارہ کیا۔ یہ خیمہ نخلستان میں موجود کسی دوسرے خیمے سے مشابہ تھا۔ لڑکے نے خیمے میں بھٹی اور صراحی کو تلاش کیا جن کو کیمیا گری میں استعمال کیا جاتا تھا مگر اسے مایوسی ہوئی۔ خیمے میں صرف چند کتابیں، کچھ برتن اور ایک قالین تھا جس پر عجیب و غریب ڈیزائن بنے ہوئے تھے۔

"بیٹھ جاؤ، ہم قہوہ پئیں گے اور یہ باز بھون کر کھائیں گے"۔ کیمیا گر بولا۔

اسے شک گزرا کہ یہ وہی باز ہیں جو کل فضا میں محو پرواز تھے مگر وہ خاموش رہا۔ کیمیا گر نے چولہا روشن کیا اور فضا ایک دلفریب خوشبو سے معطر ہو گئی۔

"تم مجھ سے کیوں ملنا چاہتے تھے؟" لڑکے نے پوچھا۔

"نشانیوں کی وجہ سے"۔ کیمیا گر نے جواب دیا۔

"ہوا نے مجھے پیغام دیا کہ تم آ رہے ہو اور تمہیں میری مدد کی ضرورت ہے۔"

"ہوا نے جس کے بارے میں پیغام دیا ہے وہ میں نہیں ہوں بلکہ ایک انگریز ہے۔ وہ بھی اپنی منزل کی تلاش میں یہاں تک آیا ہے"۔

"اسے ابھی بہت کچھ کرنا ہے لیکن وہ صحیح راستے پر چل رہا ہے اور اس نے صحرا کو سمجھنا شروع کر دیا ہے۔"

"اور میرے بارے میں کیا خیال ہے؟"

"جب بھی کوئی انسان کچھ کرنے کا مصمم ارادہ کرتا ہے تو کائنات کی ہر شے اسے ممکن بنانے میں اس کی معاونت کرتی ہے"۔ کیمیا گر کے الفاظ میں اسے بوڑھے بادشاہ کی بات کی گونج سنائی دی۔

"ایک اور انسان میری مدد کے لیے کمربستہ ہے"۔ لڑکے نے سوچا۔

"تو پھر آپ میری رہنمائی کریں گے؟"

"تمہیں وہ سب معلوم ہے جس کا علم تمہیں ہونا چاہیے۔ میں صرف تمہارا رخ اس سمت کی طرف کروں گا جدھر تمہاری منزل ہے"۔

"وہاں تو قبائل میں لڑائی ہو رہی ہے"۔ لڑکے نے یاد دلایا۔

"مجھے معلوم ہے کہ صحرا میں کیا ہو رہا ہے"۔

"لیکن میں تو اپنے خزانے تک پہنچ گیا ہوں۔ میرے پاس ایک اونٹ ہے اور مجھے کرسٹل کی فروخت سے اچھا خاصہ منافع ملا ہے۔ پچاس سونے کے سکے میں نے آج حاصل کیے ہیں۔ میں پہلے ہی ایک امیر آدمی ہوں۔

"ان میں سے کچھ بھی تو تمہیں اہرام مصر کے قریب سے نہیں ملا"۔

وہ تھوڑی دیر تک خاموشی سے کھانے میں مصروف رہے۔ کیمیا گر نے ایک بوتل کھولی اور سرخ رنگ کا مشروب لڑکے کے کپ میں ڈالا۔ اس نے آج تک اتنی مزیدار شراب کبھی نہیں پی تھی۔

"یہاں شراب کی ممانعت نہیں ہے؟" لڑکے نے پوچھا۔

"جو چیز انسان کے حلق کے اندر جاتی ہے اس شے کی کوئی ممانعت نہیں ہے ممانعت اس شے کی ہے جو باہر نکلتی ہے"۔

کیمیا گر کی بات میں تلخی تھی لیکن جیسے ہی اس نے شراب چکھی اسے سکون محسوس ہوا کھانے سے فارغ ہو کر دونوں خیمے سے باہر آ گئے۔ آج چاند اپنی پوری آب و تاب سے نخلستان کی ریت کو منور کر رہا تھا۔ سفید چاندنی کی روشنی میں ستاروں کی روشنی مدہم پڑ گئی تھی۔ دونوں ریت پر بیٹھ گئے۔

"کھاؤ پیو اور آرام کرو"۔ کیمیا گر بولا۔





اس نے محسوس کیا کہ لڑکا لطف اندوز ہو رہا ہے۔ آج رات مکمل آرام کرو جیسا کہ جنگ میں لڑائی پر روانہ ہونے سے پہلے کرتے ہیں۔ یاد رکھو جہاں تمہارا دل ہے خزانہ وہیں ہو گا۔ تمہیں اپنا خزانہ ڈھونڈنا ہے تاکہ اب تک جو کچھ تم نے سیکھا ہے وہ تمہارے لیے بامعنی بن سکے۔

کل اپنا اونٹ بیچ کر ایک گھوڑا خرید لو۔ اونٹ کئی میل کی مسافت کے بعد بھی نہیں تھکتے اور اچانک گرتے ہیں اور مر جاتے ہیں جبکہ گھوڑا آہستہ آہستہ تھکن سے دوچار ہوتا ہے اس لیے تمہیں معلوم ہو جاتا ہے کہ اس سے کتنا کام لینا ہے اور کب اسے آرام کی ضرورت ہے"۔

اگلی رات لڑکا اپنے گھوڑے کے ساتھ کیمیا گر کے خیمے کے باہر آن پہنچا۔ کیمیا گر اس کا منتظر تھا۔ وہ گھوڑے پر سوار تھا اور باز اس کے کندھے پر بیٹھا تھا۔

"مجھے بتاؤ کہ صحرا میں زندگی کس جانب ہے؟ جو لوگ یہ جاننے کی اہلیت رکھتے ہیں صرف وہی خزانہ تلاش کر سکتے ہیں"۔ کیمیا گر لڑکے سے مخاطب ہوا۔

دونوں چاندنی کی روشنی میں ایک جانب روانہ ہوئے۔

"مجھے نہیں یقین کہ میں صحرا میں زندگی کے آثار ڈھونڈنے میں کامیاب ہو جاؤں گا۔" لڑکا سوچ میں گم تھا۔

"مجھے ابھی صحرا کے بارے میں اتنا علم نہیں ہے"۔ اس نے کیمیا گر کو بتانے کا ارادہ کیا لیکن اس پر کیمیا گر کا رعب طاری تھا وہ دونوں ایک پتھریلی جگہ پر پہنچ گئے جہاں لڑکے نے دونوں بازوں کو محو پرواز دیکھا تھا۔ مگر اس وقت وہاں مکمل سکوت تھا۔

"مجھے نہیں معلوم کہ صحرا میں زندگی کی تلاش کیسے کی جاتی ہے"۔ میں جانتا ہوں کہ یہاں زندگی موجود ہے لیکن میں لاعلم ہوں کہ صحرا میں اس کی تلاش میں کس طرف رخ کروں؟" لڑکے نے کیمیا گر کو مخاطب کیا۔

"زندگی زندگی کو کھینچتی ہے"۔ کیمیا گر نے جواب دیا۔ لڑکے کو جیسے سب کچھ سمجھ آ گیا ہو۔ اس نے اپنے گھوڑے کی لگامیں ڈھیلی کیں اور گھوڑے نے پتھریلی زمین اور ریت کی طرف دوڑ لگائی۔ کیمیا گر نصف گھنٹے تک لڑکے کے گھوڑے کا پیچھا کرتا رہا۔

اب کھجور کے درخت ان کی نظروں سے اوجھل ہو گئے تھے اور صرف چاند تھا جو اپنی پوری روشنی صحرا کی ریت کو منتقل کر رہا تھا۔ چاند کی روشنی صحرا کی ریت اور اس میں سے وقتاً فوقتاً ظاہر ہونے والے پتھروں سے منعکس ہو رہی تھی۔ پھر بغیر کسی ظاہری وجہ کے لڑکے کا گھوڑا آہستہ ہو گیا۔

"یہاں زندگی کے آثار مل سکتے ہیں"۔ لڑکے نے کیمیا گر سے کہا۔

"میں تو صحرائی زبان سے واقف نہیں ہوں مگر میرا گھوڑا یہ زبان جانتا ہے"۔

دونوں گھوڑوں سے نیچے اتر گئے۔ کیمیا گر ابھی تک خاموش تھا۔ آہستہ آہستہ چلتے ہوئے دونوں پتھروں میں سے کچھ تلاش کرتے رہے تھے۔

یک دم کیمیا گر رک گیا اور زمین کی طرف جھکا، یہاں پتھروں کے درمیان ایک سوراخ تھا۔ کیمیا گر نے اس سوراخ میں ہاتھ ڈال دیا۔ ایسا لگتا تھا جیسے سوراخ میں کوئی چیز چل رہی ہو۔

کیمیا گر کی آنکھیں کہہ رہی تھیں کہ وہ کسی چیز کو پکڑنے کی کوشش کر رہا تھا۔ پھر یک دم اس نے اپنا ہاتھ سوراخ سے باہر نکالا۔

لڑکے کی آنکھیں حیرت سے پھیل گئیں۔ کیمیا گر کے ہاتھ میں ایک سانپ تھا۔

لڑکے نے ایک طرف چھلانگ لگائی۔ سانپ بے چینی سے تڑپ رہا تھا اور اس کی تڑپاہٹ کی آواز صحرا کے سکوت کو توڑ رہی تھی۔ یہ ایک بہت زہریلا سانپ تھا جس کا زہر ایک لمحے میں انسان کی جان لے سکتا تھا۔

"خبردار رہو کہیں ڈس نہ لے"۔ لڑکا بولا۔

پھر اسے احساس ہوا کہ شاید سانپ پہلے ہی کیمیا گر کو ڈس چکا تھا جب اس نے اس کے بل میں ہاتھ ڈالا تھا۔

کیمیا گر پرسکون تھا۔

"کیمیا گر کی عمر دو سو سال ہے"۔ اس کے ذہن میں انگریز کے الفاظ سنائی دیے۔ اسے معلوم ہے کہ صحرا کے زہریلے سانپ کا تریاق کیا ہے۔

کیمیا گر اپنے گھوڑے کے پاس گیا اور تلوار لے کر واپس آ گیا۔

اس نے تلوار کی نوک سے ریت پر ایک دائرہ لگایا اور سانپ کو اس دائرے کے درمیان میں رکھ دیا۔ سانپ فوراً پرسکون ہو کر بیٹھ گیا۔

"بے فکر رہو اب یہ اس دائرے سے باہر نہیں نکل سکتا"۔ کیمیا گر بولا۔

"تم صحرا میں زندگی تلاش کرنے میں کامیاب رہے ہو۔ میں اسی علامت کا متلاشی تھا"۔

"یہ اتنا ضروری کیوں تھا؟" لڑکے نے پوچھا۔

"کیونکہ اہرام صحرا میں گھرے ہوئے ہیں"۔ کیمیا گر نے جواب دیا۔

لڑکا خاموش تھا اس کا دل بوجھل تھا۔ وہ گزشتہ رات سے مغموم تھا۔ خزانے کی تلاش کا مطلب تھا فاطمہ سے جدائی۔

"میں صحرا سے گزرنے میں تمہاری رہنمائی کروں گا"۔ کیمیا گر بولا۔

"لیکن میں نخلستان میں رہنا چاہتا ہوں"۔ لڑکے نے جواب دیا۔ "میں نے فاطمہ کو پا لیا ہے اور وہ میرے لیے دنیا کے کسی بھی خزانے سے زیادہ قیمتی ہے"۔





"فاطمہ اس صحرا کی بیٹی ہے"۔ کیمیا گر نے جواب دیا۔

"وہ جانتی ہی ہے مرد ہمیشہ منزل کی تلاش میں جاتے ہیں اس امید کے ساتھ کہ وہ واپس لوٹیں گے۔ اس کی بھی یہ خواہش ہے کہ تم بھی اپنی منزل تلاش کرو"۔

"لیکن اگر میں منزل کی تلاش ترک کر کے یہاں رہنا چاہوں تو؟" لڑکے نے پوچھا۔

"میں تمہیں بتاتا ہوں کہ پھر کیا ہوگا"۔ کیمیا گر بولا۔

"تم نخلستان میں مشاورت کے فرائض انجام دو گے۔ تمہارے پاس پہلے ہی کافی دولت ہے تم فاطمہ سے شادی کر لو گے اور ایک سال تک بخوشی زندگی گزارو گے۔ تم صحرا سے بھی مانوس ہو جاؤ گے اور نخلستان کے ہر گوشے سے بھی۔ تم نخلستان کے ایک ایک درخت سے آگاہ ہو گے۔ تم دیکھو گے اور تمہیں معلوم ہوگا کہ دنیا میں ہر شے کیسے آہستہ آہستہ بدل رہی ہے مشاہدے میں پختگی کے ساتھ ہی تمہاری علامات سمجھنے کی صلاحیت بھی بڑھے گی۔ کیونکہ صحرا بذات خود ایک بہت بڑا مدرسہ ہے"۔ کیمیا گر نے توقف کیا۔

"دوسرے سال تمہیں خزانے کا خیال آئے گا۔ علامات اپنے آپ کو ظاہر کریں گی اور تم ان کو نظر انداز کرو گے۔ تمہارے علم سے نخلستان اور اس کے باسی مستفید ہوں گے۔ سردار تمہارے معتقد ہوں گے اور تمہارے قافلے تمہارے لیے دولت جمع کرنے کا ذریعہ ہوں گے"۔

"تیسرے سال بھی علامات اپنا ظہور جاری رکھیں گی اور تمہیں تمہاری منزل یاد دلائیں گی۔ تم بے چینی سے راتوں کو نخلستان کی ریت پر چہل قدمی کرو گے اور یہ فاطمہ کے لیے ناقابل برداشت ہوگا۔ کیونکہ وہ سمجھے گی کہ وہ تمہاری پریشانی کی وجہ ہے۔ تمہیں بھی چونکہ احساس ہوگا کہ اس نے تمہیں نہیں روکا تھا بلکہ یہ تمہارا واپس نہ آ سکنے کا خوف تھا جس کی وجہ سے تم نے نخلستان میں رہنے کا فیصلہ کیا تھا۔ اس وقت علامات تمہیں بتائیں گی کہ تمہارا خزانہ ہمیشہ کے لیے دفن ہو گیا ہے"۔

"پھر چوتھے سال علامات تم سے جدا ہو جائیں گی کیونکہ تم نے ان کو سمجھنا اور ان پر عمل کرنا چھوڑ دیا تھا۔ اس کا علم قبیلے کے سردار کو بھی ہو جائے گا اور وہ تمہیں مشاورت کے عہدے سے برخاست کر دے گا۔ تب تک تم ایک مالدار تاجر بن چکے ہو گے۔ لیکن علامات تمہارا ساتھ چھوڑ چکی ہوں گی کیونکہ تم نے ان پر عمل کرنا چھوڑ دیا تھا۔ اور تمہیں احساس ہوگا کہ اب منزل کی تلاش کرنا ناممکن امر ہے"۔

لڑکے کو کرسٹل فروش کا خیال آیا جس کی خواہش تھی کہ وہ مکہ جائے۔ اور پھر انگریز جو کیمیا گر کی تلاش میں نکلا تھا۔ اسے اس خاتون کا بھی خیال آیا جسے صحرا پر اعتماد تھا۔ پھر اس نے صحرا کی طرف دیکھا جو اس کے پاس تھا جس سے وہ محبت کرتا تھا۔

دونوں اپنے اپنے گھوڑوں پر سوار ہو گئے۔ اب لڑکا کیمیا گر کے پیچھے چل رہا تھا۔ دونوں نخلستان کی طرف واپس چل پڑے۔ ہوا کے دوش پر نخلستان کی صدا آ رہی تھی اور لڑکا فاطمہ کی آواز سننے کی کوشش میں تھا۔

"میں تمہارے ساتھ جانے کے لیے تیار ہوں"۔ اس نے کیمیا گر سے کہا اور یک دم اس کا دل پر سکون ہو گیا۔

"ہم کل سورج نکلنے سے پہلے روانہ ہوں گے"۔ کیمیا گر نے جواب دیا۔

لڑکے نے رات بے سکونی سے گزاری۔ سورج نکلنے سے دو گھنٹے قبل اس نے اس لڑکے کو ڈھونڈا جو پہلی رات اس کے ساتھ خیمے میں تھا اور اس سے کہا کہ وہ فاطمہ کا گھر ڈھونڈنے میں اس کی رہنمائی کرے۔ جب دونوں فاطمہ کے خیمے کے پاس پہنچے تو لڑکے نے اپنے ساتھی کو اتنا سونا دیا کہ وہ ایک بھیڑ خرید سکے پھر اس نے اس لڑکے سے کہا کہ وہ اندر جا کر فاطمہ کو جگائے اور اسے لڑکے کے آنے کی اطلاع دے۔ جب وہ واپس آیا تو لڑکے نے عربی کو ایک اور بھیڑ کی قیمت جتنا سونا دیا اور کہا کہ وہ چلا جائے۔

فاطمہ خیمے کے دروازے پر ظاہر ہوئی۔ دونوں چلتے ہوئے کھجوروں کے پاس آ گئے۔ لڑکے کو معلوم تھا کہ یہ بات یہاں کے دستور کے خلاف تھی لیکن اب اسے اس بات کی فکر نہیں تھی۔

"میں جا رہا ہوں۔" وہ بولا۔

"لیکن میں واپس آؤں گا۔ مجھے تم سے محبت ہے کیونکہ....."

"کچھ کہنے کی ضرورت نہیں ہے..... کسی سے محبت صرف اس لیے کی جاتی ہے کہ اس سے محبت ہوتی ہے۔ محبت کے لیے کسی وجہ کی ضرورت نہیں ہوتی"۔

"میرا ایک خواب تھا اور تب میری ملاقات ایک بادشاہ سے ہوئی"۔ لڑکے نے اپنی بات جاری رکھی۔

"میں نے کرسٹل شاپ میں کام کیا اور پھر میں نے صحرا کو عبور کیا۔ پھر قبائل کے درمیان لڑائی کی وجہ سے یہاں رکنا پڑا اور میں کیمیا گر کی تلاش میں تم سے ملا۔ مجھے تم سے محبت ہے۔ اس لئے کائنات کی ہر شے نے معاونت کی کہ میں تم سے مل سکوں۔"

دونوں بغلگیر ہو گئے اور یہ پہلی دفعہ تھا کہ دونوں نے ایک دوسرے کو چھوا تھا۔

"میں واپس آؤں گا"۔ لڑکا بولا۔

"اس سے قبل میں صحرا کی طرف خالی نظروں سے دیکھتی تھی۔" فاطمہ بولی۔

"اب ان آنکھوں میں امید ہو گی۔ میرا باپ بھی صحرا کے سفر پر گیا تھا اور پھر میری ماں کے پاس واپس آ گیا ہمیشہ کے لیے"۔

دونوں واپس مڑے اور لڑکی کے خیمے کی طرف چل پڑے جب وہ خیمے کے دروازے پر پہنچے تو لڑکا بولا:

"میں بھی اسی طرح واپس آؤں گا جس طرح تمہارا باپ تمہاری ماں کے پاس واپس لوٹ آیا تھا"۔

"تم رو رہی ہو؟" اس نے فاطمہ کی نمناک آنکھیں دیکھتے ہوئے سوال کیا۔

"میں صحرا کی بیٹی ہوں"۔ اس نے اپنی آنکھیں چھپاتے ہوئے جواب دیا۔

"بہرحال میں ایک عورت بھی تو ہوں"۔ اور وہ خیمے کے اندر چلی گئی۔





صبح کے وقت وہ حسب معمول اپنے کام میں مشغول ہو گئی لیکن آج سب کچھ بدل چکا تھا۔ یہ نخلستان اس لڑکے سے خالی تھا اور اس کا ماحول اس کے لیے ویسا کبھی نہیں ہو گا جیسا صرف ایک دن قبل تھا۔ نہ تو اس میں پچاس ہزار کھجور کے درخت ہوں گے اور نہ تین سو کنوئیں اور نہ ہی یہ وہ نخلستان ہو گا جو مسافروں کو صحرا کی کڑکتی دھوپ میں سایہ فراہم کرتا تھا۔

فاطمہ کے لیے یہ نخلستان آج کے بعد ایک صحرا کی مانند ہو گا۔

آج کے بعد اس کے لیے اس نخلستان کی نسبت صحرا زیادہ اہم ہو گا۔ کیونکہ اس صحرا میں ایک ایسا انسان تھا جو اس سے صرف اس لیے محبت کرتا تھا کہ اسے اس سے محبت تھی۔ اس محبت کے لیے کسی وجہ کی ضرورت نہیں تھی۔ آج کے بعد اس کی نگاہیں صحرا کی طرف لگی رہیں گی اور وہ اندازہ لگائے گی کہ کون سے ستارے کی سمت میں اس کا محبوب چل رہا ہے۔ اس ستارے کے حوالے سے وہ اپنے محبوب کا دیدار کرے گی۔ آج کے بعد صحرا اس کے لیے امید کی علامت ہو گا۔



"اس کی فکر نہ کرو جسے تم پیچھے چھوڑ آئے ہو"۔ سفر پر روانہ ہوتے ہوئے کیمیا گر نے لڑکے کو ہدایت دی۔

"ہر چیز لکھی ہوئی ہے اور یہ تحریر ہمیشہ وہاں رہے گی"۔

"مرد گھر چھوڑنے کے بعد اس کی طرف لوٹ آنے کے بارے میں زیادہ سوچتے ہیں"۔ لڑکے نے جواب دیا۔

"جو آپ نے پیچھے چھوڑا ہے وہ اگر مادہ ہے تو تمہاری واپسی پر تمہیں ایسا ہی ملے گا۔ لیکن اگر وہ روشنی کا ہالہ تھا جیسا کہ ستاروں کے ٹوٹنے پر ہوتا ہے تو واپسی پر تمہیں کچھ نہیں ملے گا"۔ کیمیا گر، کیمیا گری کی زبان میں بول رہا تھا لیکن لڑکا اس کا مفہوم سمجھ سکتا تھا۔

پھر بھی اس کے لیے یہ ناممکن تھا کہ وہ فاطمہ کے بارے میں اپنے آپ کو سوچنے سے باز رکھ سکے۔ صحرا کی یکسانیت اسے خواب دیکھنے پر مجبور کر رہی تھی۔ اس کے چشم تصور میں کھجوروں کے درخت تھے اور کنوئیں تھے اور اس خاتون کا چہرہ تھا جس سے اسے محبت تھی۔

وہ انگریز کو چشم تصور میں دیکھ سکتا تھا جو اپنے تجربے میں مشغول تھا۔ اور وہ بان جو کہ ایک ایسا استاد تھا جسے خود بھی اس بارے میں معلوم نہیں تھا۔

"شاید کیمیا گر کو کبھی محبت کا اتفاق نہیں ہوا تھا"۔ لڑکے نے سوچا۔

کیمیا گر آگے آگے تھا اور اس کے کندھے پر باز تھا۔ پرندے کو صحرا کی زبان معلوم تھی۔ جب بھی کیمیا گر رکتا تو باز محو پرواز ہو جاتا اور واپسی پر اپنے ساتھ شکار لاتا کبھی خرگوش اور کبھی کوئی پرندہ۔ رات کے وقت وہ آگ کو چھپا کر روشن کرتے

تھے۔ صحرا کی راتیں سرد تھیں اور چاند کے زوال کے ساتھ ساتھ تاریک سے تاریک تر ہو رہی تھیں۔

وہ ایک ہفتہ تک چلتے رہے۔ اس دوران ان کی گفتگو کا محور زیادہ تر صحرا کے سفر کے دوران کی جانے والی احتیاط رہی تھی۔ اور یہ کہ کس طرح سے قبائلی جنگ سے اپنے آپ کو محفوظ رکھنا ہے۔ لڑائی جاری تھی اور ہوا میں کبھی پسینے اور کبھی خون کی بو شامل ہو جاتی تھی۔ جنگ کہیں قریب ہی ہو رہی تھی۔ اس سے لڑکے کو اس بات کا احساس ہوا کہ نشانیاں انسان کو وہ بات بتاتی ہیں جو آنکھ سے نہیں دیکھ سکتے۔

ساتویں روز کیمیا گر نے قبل از وقت پڑاؤ کا فیصلہ کیا۔ باز شکار کی تلاش میں روانہ ہو گیا اور کیمیا گر نے اپنی پانی کی بوتل لڑکے کو پیش کی۔

"تم تقریباً اپنی منزل کے قریب پہنچ چکے ہو"۔ کیمیا گر بولا۔

"اپنی منزل کی تلاش جانفشانی سے جاری رکھنے میں تم مبارکباد کے مستحق ہو۔"

"لیکن تمام راستے آپ نے مجھے کچھ نہیں بتایا"۔ لڑکے نے سوال کیا۔

"میرا خیال تھا کہ آپ مجھے بہت کچھ سکھائیں گے۔ اس سے قبل صحرا میں سفر کے دوران میرے ساتھی کے پاس کتابیں تھیں جن میں کیمیا گری کے بارے میں معلومات تھیں"

"یہ سب کچھ سیکھنے کا صرف ایک ہی راستہ ہے"۔ کیمیا گر بولا۔

"اور وہ ہے عمل۔ تم نے جو بھی سیکھنا تھا وہ تم نے اپنے سفر کے دوران سیکھا اب تمہیں صرف ایک چیز اور سیکھنے کی ضرورت ہے"۔

لڑکا ہمہ تن گوش تھا کہ کیمیا گر اسے کیا کچھ سکھاتا ہے لیکن کیمیا گر خاموشی سے افق کی طرف دیکھ رہا تھا۔

"آپ کو کیمیا گر کیوں کہتے ہیں"۔ لڑکے نے سوال کیا۔

"کیونکہ میں کیمیا گر ہوں"۔ اس نے جواب دیا۔

"جن دوسرے لوگوں نے دھات کو سونے میں بدلنے کی کوشش کی وہ ناکام کیوں رہے؟" لڑکے نے استفسار کیا۔

"وہ لوگ صرف سونے کی تلاش میں تھے"۔ کیمیا گر نے جواب دیا۔

"وہ خزانہ تو پانا چاہتے تھے لیکن اس کے لیے مشقت کرنے کو تیار نہیں تھے۔"

"وہ ایک چیز کیا ہے جسے سیکھنے کی مجھے ضرورت ہے؟" لڑکے نے پوچھا۔ کیمیا گر ابھی بھی افق کی طرف دیکھ رہا تھا۔ آخر اس طرف سے باز واپس آتا دکھائی دیا۔ انہوں نے اوٹ میں آگ جلائی تاکہ اس کی روشنی کسی کو نظر نہ آئے۔

"میں کیمیا گر اس لیے کہلاتا ہوں کیونکہ میں کیمیا گر ہوں"۔ اس نے کھانا پکاتے ہوئے کہا۔

"میں نے یہ فن اپنے دادا سے سیکھا تھا اور اس نے اپنے باپ سے اور اسی طرح یہ سلسلہ بہت دور تک پھیلا ہوا ہے۔ ان دنوں اسم اعظم پکھراج کی تختی پر لکھا جا سکتا تھا لیکن انسانوں نے پھر آسان چیزوں کو رد کرنا شروع کر دیا اور اس کی جگہ





غیر ضروری تفاصیل اور فلسفیانہ تحریروں نے لے لی۔ اور انہوں نے سوچنا شروع کر دیا کہ ان کی رسائی ان چیزوں تک ہے جو اس سے قبل لوگوں سے چھپی ہوئی تھیں۔ اس لئے وہ مشکل پسند ہوتے گئے اور غیر ضروری تفصیل سے ہر بات اور ہر تحریر طویل سے طویل تر ہوتی گئی۔ لیکن پھر بھی پکھراج کی تختی ابھی تک سلامت ہے۔"

"آخر اس تختی پر تحریر کیا ہے؟" لڑکے نے پوچھا۔

کیمیا گر نے ریت پر کچھ لکھنا شروع کیا اور پانچ منٹ کے اندر ایک شکل بنائی۔

جس وقت کیمیا گر ریت پر کچھ لکھنے میں مصروف تھا لڑکے کو بوڑھے بادشاہ کا خیال آیا۔

"تختی پر یہ تحریر ہے"۔ کیمیا گر نے جب لکھنا ختم کیا تو بولا۔

لڑکے نے تحریر کو پڑھنے کی کوشش کی لیکن اسے ناکامی ہوئی۔

"اس طرح کی تحریر میں نے انگریز کی کتاب میں دیکھی تھی۔ نہیں یہ اس طرح کی ہے جیسے پرندوں کی پرواز تھی۔

صرف منطق کے ذریعے اس کو سمجھنا ممکن نہیں ہے۔ یہ کائنات کی روح تک رسائی کا براہ راست طریقہ ہے۔"

"دانا لوگ یہ سمجھتے ہیں کہ دنیا جنت کا ایک نمونہ ہے یا اس کا عکس ہے۔ اس کا وجود اس بات کی علامت ہے کہ کہیں پر ایسی دنیا بھی ہے جو ہر لحاظ سے مکمل ہے۔ خدا نے یہ دنیا اس لیے بنائی کہ اس دنیا میں نظر آنے والی چیزوں کے واسطے سے لوگ اس کے روحانی وجود تک رسائی حاصل کر سکیں اور اس کی محیر العقول نشانیوں کو سمجھ سکیں اور عمل سے یہی کچھ مراد ہے۔"

"کیا مجھے بھی اس تختی کی تحریر کو سمجھنا چاہیے؟" لڑکے نے سوال کیا۔

"شاید...... اگر تم کیمیا گری کی تجربہ گاہ میں ہوتے تو یہ اس تحریر کو سمجھنے کا بہترین وقت ہوتا۔ لیکن چونکہ تم صحرا کے بیچوں بیچ ہو اس لیے اپنے آپ کو اس میں ضم کر دو۔ صحرا تمہیں دنیا کی سمجھ ودیعت کر دے گا۔ بلکہ دنیا کی کوئی بھی چیز اس کی اہلیت رکھتی ہے۔ تمہیں صحرا کو سمجھنے کی بھی ضرورت نہیں تم اگر ریت کے ایک ذرے پر بھی غور کرو تو تمہیں اس میں بھی تخلیق کے محیر العقول کارنامے نظر آئیں گے۔ اور اپنے دل کی آواز سنو۔ اس کو قدرت کے تمام تر رازوں تک رسائی حاصل ہے کیونکہ اس کا اپنا وجود اس کائنات کی روح سے نکلا ہے اور یہیں اسے ایک دن لوٹ کر جانا ہے۔

وہ دونوں صحرا میں مزید دو دن تک چلتے رہے۔ کیمیا گر اب اور زیادہ محتاط ہو گیا تھا کیونکہ وہ ایسے علاقے میں داخل ہو گئے تھے جہاں لڑائی زیادہ شدت اختیار کر چکی تھی۔ جیسے جیسے وہ صحرا میں آگے بڑھ رہے تھے لڑکا اپنے دل کی آواز سننے کی کوشش کر رہا تھا۔
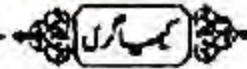
اس سے قبل اس کا دل اسے کہانیاں سناتا تھا مگر اب وہ خاموش تھا۔ پہلے اس کا دل اسے گھنٹوں اپنی اداسی کی داستانیں سناتا تھا اور کبھی صحرا میں طلوعِ آفتاب کے منظر پر اتنا جذباتی ہو جاتا کہ لڑکے کے لیے اپنے آنسو چھپانا مشکل ہو جاتا۔ جب خزانے کا ذکر آتا تو اس کی دھڑکن تیز ہو جاتی تھی اور جب اس کی نظر نہ ختم ہونے والے صحرا پر پڑتی تو یہ ڈوبنے لگتا۔ لیکن وہ خاموش کبھی بھی نہ ہوتا۔ اس وقت بھی نہیں جب لڑکا اور کیمیا گر خاموش ہوتے تھے۔

"ہمیں آخر اپنے دل کی آواز سننے کی کیا ضرورت ہے؟" اس نے کیمیا گر سے سوال کیا جب وہ پڑاؤ ڈال چکے تھے۔

"کیونکہ جہاں بھی تمہارا دل ہو گا وہیں خزانہ ملے گا" کیمیا گر نے جواب دیا۔

"لیکن میرا دل تو بہت پریشان ہے۔" لڑکا تلخی سے بولا۔ "اس میں خواب ہیں، اس میں جذبات کا ایک سمندر موجزن ہے اور یہ مجھے بہت تکلیف دیتا ہے اور مجھے راتوں کو چین نہیں لینے دیتا"۔

"بہت خوب پھر تو تمہارا دل زندہ ہے۔ اس کی بات پر دھیان دو۔" کیمیا گر نے کہا۔

اگلے تین دن دونوں کا گزر ان قبائل کے درمیان سے ہوا جو لڑائی میں مشغول تھے۔ لڑکے کا دل خوفزدہ تھا۔ وہ اسے ان لوگوں کی کہانیاں سناتا تھا جو اپنی منزل کی تلاش میں نکلے لیکن کبھی لوٹ کر واپس نہیں آئے۔ کبھی وہ لڑکے کو ڈراتا تھا کہ شائد وہ بھی خزانہ ڈھونڈنے میں کامیاب نہ ہو سکے یا پھر وہ صحرا کے بیچوں بیچ مر جائے گا۔ اور کبھی وہ لڑکے کو بتاتا کہ وہ مطمئن تھا کیونکہ اس کو محبت مل چکی تھی اور دولت بھی۔

"میرا دل تو باغی ہے۔" لڑکے نے کیمیا گر کو بتایا۔ "یہ نہیں چاہتا کہ میں آگے جاؤں"

"اس کا مطلب سمجھ میں آتا ہے۔" کیمیا گر بولا۔

"آخر یہ فطری عمل ہے۔ تمہارے دل میں یہ خوف موجزن ہے کہ تم اپنی منزل کی تلاش میں وہ کچھ بھی کھو نہ بیٹھو جو اس وقت تمہارے پاس ہے۔"

"تو پھر مجھے اس کی آواز سننے کی کیا ضرورت ہے؟"

"کیونکہ تم اسے خاموش نہیں کرا سکتے۔ چاہے تم ظاہر کرتے رہو کہ تم اس کی آواز نہیں سن رہے یہ پھر بھی اپنی بات دہراتا رہے گا اور تمہیں بتاتا رہے گا کہ تم کیا سوچ رہے ہو، اس زندگی کے بارے میں دنیا کے بارے میں۔"

"آپ کا مطلب ہے کہ میں اس کی بات سنتا رہوں چاہے یہ آواز بغاوت ہی کیوں نہ ہو" لڑکے نے استفسار کیا۔

"بغاوت وہ عمل ہے جو غیر متوقع طور پر آتا ہے۔ اگر تم اپنے دل کو سمجھتے ہو تو تم اس کے دھوکے میں کبھی نہیں آؤ گے۔ کیونکہ تمہیں معلوم ہو گا کہ اس کے خواب کیا ہیں؟ یہ کیا چاہتا ہے؟ اور تمہیں یہ بھی معلوم ہو گا کہ اس کے ساتھ کیسا سلوک کرنا ہے؟ تم کبھی اپنے دل سے پیچھا نہیں چھڑا سکتے۔ اس لیے بہتر یہی ہے کہ اس کی آواز سنو اس طرح تم اس کے غیر متوقع وار سے محفوظ رہ سکو گے۔"
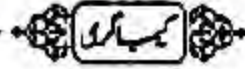




صحرا میں سفر کے دوران لڑکا مسلسل اپنے دل کی آواز سنتا رہا۔ اسے آہستہ آہستہ اس کی چالوں کی سمجھ آنے لگی۔ اس کے دل سے خوف نکل گیا اور واپس جانے کا خیال بھی جاتا رہا۔ ایک دوپہر اس کے دل نے اس کو بتایا کہ وہ بہت خوش ہے۔

"اگرچہ کبھی کبھار میں شکایت بھی کرتا ہوں" اس کا دل بولا۔

"ایسا اس لیے ہے کہ میں ایک انسان کا دل ہوں اور انسانوں کے دل اسی طرح کے ہوتے ہیں۔ لوگ اپنے خوابوں کی تعبیر ڈھونڈنے میں خوفزدہ ہوتے ہیں کیونکہ ان کا خیال ہوتا ہے کہ وہ اس قابل نہیں ہیں یا پھر وہ اسے حاصل کرنے میں ناکام رہیں گے۔ ہم دل اس لیے خوفزدہ ہوتے ہیں کہ محبت کرنے والے ہم سے ہمیشہ کے لیے جدا نہ ہو جائیں یا پھر کچھ لمحات جو بہتر ہو سکتے تھے مگر نہیں ہوئے۔ یا پھر کچھ خزانے جو مل سکتے تھے لیکن ہمیشہ کے لیے ریت کے نیچے دب گئے اور جب اس طرح ہوتا ہے تو ہمیں بہت دکھ اٹھانا پڑتا ہے۔"

"میرے دل کو خوف ہے کہ اسے تکلیف سے گزرنا پڑے گا" لڑکے نے اس وقت بتایا جب اندھیری رات میں دونوں آسمان کی طرف دیکھ رہے تھے۔

"اپنے دل کو بتاؤ کہ تکلیف کا ڈر خود تکلیف سے بدتر ہوتا ہے اور کسی دل کو آج تک تکلیف سے نہیں گزرنا پڑا جب وہ اپنی منزل کی تلاش میں نکلتا ہے کیونکہ اس تلاش کا ہر لمحہ خدا سے ملاقات کی گھڑی ہوتی ہے"

"تلاش کا ہر لمحہ خدا سے ملاقات کی گھڑی ہوتی ہے۔" لڑکے نے اپنے دل سے کہا۔

"جب میں خزانے کی تلاش میں نکلا تو ہر آنے والا دن گزرنے والے دن سے زیادہ روشن ہے۔ کیونکہ ہر لمحہ یہ امید اور مضبوط ہو جاتی ہے کہ میں یہ خزانہ پا لوں گا۔ جب سے میں خزانے کی تلاش میں نکلا ہوں میں نے ہر لمحہ کچھ نہ کچھ سیکھا ہے جو کہ میں نہیں سیکھ سکتا تھا اگر مجھ میں اتنی ہمت نہ ہوتی کہ میں وہ تجربات کر سکوں جو ایک چرواہے کے لیے ناممکن تھے۔"

اس کا دل دوپہر تک خاموش رہا۔ اس رات لڑکے کو بہت سکون کی نیند آئی اور جب وہ صبح کو بیدار ہوا اور اس کا دل اس سے مخاطب ہوا تو اس لڑکے کو وہ باتیں بتائیں جن کا تعلق کائنات کی روح سے تھا۔

"وہ تمام لوگ جو مطمئن ہوتے ہیں ان کے دل کے اندر اللہ ہوتا ہے" دل نے اسے بتایا۔

"خوشی ریت کے ایک ذرے سے بھی مل سکتی ہے کیونکہ ریت کا ہر ذرہ بھی تخلیق کا ایک لمحہ ہے۔ اسے تخلیق کرنے کے لیے کائنات نے لاکھوں سال صرف کیے ہیں۔ دنیا میں ہر شخص کے لیے ایک خزانہ منتظر ہے" اس کے دل نے اسے بتایا۔

"ہم انسانوں کے دل انہیں خزانوں کے بارے میں زیادہ اس لیے نہیں بتاتے کہ انسان اب مزید ان کو تلاش کرنا گوارہ نہیں کرتے۔ ہم بچوں کو اس بارے میں بتاتے ہیں اور پھر زندگی کو اس کی ڈگر پر چھوڑ دیتے ہیں۔ اسے اپنے مقدر کی جانب جانے کی اجازت دیتے ہیں۔ افسوس یہ ہے کہ ان میں سے بہت کم لوگ ان راستوں کو اختیار کرتے ہیں جو ان کے لیے متعین کیے گئے ہوتے ہیں وہ راستے جو ان کو ان کی منزل کی جانب لے جاتے ہیں اور خوشی کے طرف۔ اکثر لوگ اس دنیا کو ایک خطرناک جگہ تصور کرتے ہیں اور کیونکہ یہ ان کا اعتقاد ہوتا ہے اس لیے دنیا ان کے لیے واقعی ایک خطرناک جگہ بن

جاتی ہے۔ اس لیے ہم ان سے بہت آہستگی سے اور بہت نرمی سے بات کرتے ہیں۔ ہم اگرچہ اس بات سے تو کبھی بھی باز نہیں آتے لیکن ہم دعا کرتے ہیں کہ لوگ ہماری آواز نہ سن سکیں کیونکہ لوگ ہماری بات ماننے کے لیے تیار نہیں ہوتے اس لیے ہم نہیں چاہتے کہ انہیں تکلیف ہو۔" "دل آخر انسان کو اس بات پر کیوں نہیں مجبور کرتا کہ وہ اپنی منزل کی تلاش جاری رکھے؟" لڑکے نے کیمیا گر سے پوچھا۔

"کیونکہ اس طرح دل کو نا قابل برداشت اذیت کا سامنا کرنا پڑتا ہے جو وہ کرنا نہیں چاہتا۔" کیمیا گر نے جواب دیا۔

اس کے بعد لڑکے کو اپنے دل سے آگاہی حاصل ہو گئی۔

"مجھ سے بات کرنا کبھی ختم نہ کرنا۔" اس نے اپنے دل سے کہا۔

"اور جب میں اپنی منزل سے بھٹکنے لگوں اور اس بات کا خطرہ ہو کہ میں اپنی کوئی خواہش ترک کر دوں گا تو مجھے جھنجھوڑ کر مجھے جگانا اور میں عہد کرتا ہوں کہ جب بھی کبھی مجھے تمہاری آواز سنائی دی تو میں ضرور اس پر عمل کروں گا"۔

اس رات اس نے یہ تمام بات کیمیا گر کو بتائی۔ کیمیا گر نے محسوس کیا کہ لڑکے کا دل کائنات کی روح کی طرف لوٹ آیا تھا۔

"اب مجھے کیا کرنا چاہیے؟" لڑکے نے پوچھا۔

"اہرام کی جانب سفر جاری رکھو۔" کیمیا گر نے جواب دیا

"اور علامات کی پہچان اور ان پر عمل کرنے پر بھی کاربند رہو۔ تمہارا دل یہ صلاحیت رکھتا ہے کہ خزانے تک تمہاری رہنمائی کر سکے۔"

"کیا یہی وہ واحد چیز ہے جسے جاننے کی مجھے ضرورت تھی؟"

"نہیں!" کیمیا گر بولا۔

"جس چیز کو جاننے کی تمہیں ضرورت ہے وہ یہ ہے کہ اس سے قبل کہ تمہیں اپنے خواب کی تعبیر ملے، کائنات کی روح تمہارا امتحان لے گی۔ یہ کسی خلل نقطہ نظر سے نہیں ہوتا بلکہ اس لیے کہ خزانے کے ساتھ ہم اس پر بھی عبور حاصل کر لیں جو کچھ ہم نے سیکھا ہے۔ اور یہ وہ مقام ہے جہاں زیادہ تر لوگ جدوجہد ترک کر دیتے ہیں۔ اس کو ہم صحرا کی زبان میں کہتے ہیں۔ "مسافر نے پیاس سے اس وقت جان دے دی جب اس کی نظریں افق پر کھجور کے درختوں کو دیکھ سکتی تھیں" ہر تلاش کا آغاز ابتدائی کامیابی سے اور اختتام فاتح کے امتحان پر ہوتا ہے" لڑکے کو اپنے وطن کی ایک ضرب المثل یاد آئی۔ "رات کے تاریک ترین لمحات صبح سے تھوڑی دیر قبل آتے ہیں"

اگلی صبح خطرے کا پہلا نشان مسلح جنگجوؤں کی آمد کی صورت میں ظاہر ہوا۔ انہوں نے ان دونوں کو گھیرے میں لے کر پوچھا کہ وہ ادھر کس مقصد سے آئے ہیں؟





"میں اپنے باز کے ساتھ شکار کھیلنے نکلا ہوں" کیمیا گر نے جواب دیا۔

"ہمیں آپ کی تلاشی لینی ہو گی تاکہ ہم تسلی کر سکیں کہ آپ لوگ مسلح تو نہیں ہیں" جنگجو بولے۔ وہ دونوں اپنے اپنے گھوڑوں سے نیچے اتر گئے۔

"تمہارے پاس اتنی رقم کیوں ہے؟" تب ایک جنگجو نے لڑکے کی تلاشی لیتے ہوئے سوال کیا۔

"میں اہرام مصر تک جانے کے لیے گھر سے نکلا ہوں" لڑکے نے جواب دیا۔

ایک جنگجو کیمیا گر کے سامان کی تلاشی لے رہا تھا اس نے کیمیا گر کے سامان سے ایک بوتل نکالی جس میں کوئی مشروب تھا اور ایک شیشے کا پیلے رنگ کا انڈا جو مرغی کے انڈے سے تھوڑا سا بڑا تھا۔

"یہ کیا ہے؟" جنگجو نے کیمیا گر سے سوال کیا۔

"آب حیات ہے اور سنگ فلسفہ۔ یہ کیمیا گر کا کار عظیم ہے۔ جو کوئی بھی آب حیات پیئے گا تمام امراض سے محفوظ رہے گا۔ اور اس انڈے کا ایک بھی ذرہ کسی بھی دھات کو سونے میں بدل دے گا۔"

عرب اس پر ہنسنے لگے۔ کیمیا گر بھی مسکرا دیا۔ انہیں کیمیا گر کا بیان بہت مضحکہ خیز لگا۔ انہوں نے دونوں کو جانے کی اجازت دے دی۔

"آپ ہوش میں تو تھے؟" لڑکے نے بدوؤں کے جانے کے بعد کیمیا گر سے پوچھا۔

"آپ نے ایسا کیوں کہا؟"

"تاکہ تم زندگی کے ایک سادہ سے سبق سے آگاہی حاصل کر سکو۔" کیمیا گر نے جواب دیا۔

"جب تمہارے پاس کوئی خزانہ ہو اور تم لوگوں کو بتاؤ تو بہت کم لوگ تم پر اعتبار کریں گے۔"

دونوں نے صحرا میں اپنا سفر جاری رکھا۔ ہر آنے والے دن کے ساتھ لڑکے کا دل خاموش سے خاموش تر ہوتا جا رہا تھا۔ اسے نہ تو ماضی کو جاننے میں دلچسپی تھی اور نہ مستقبل کے بارے میں پریشان تھا۔ وہ صرف صحرا پر غور کرنے میں مگن تھا اور لڑکے کے ساتھ وہ بھی کائنات کی روح میں غوطہ زن تھا۔ دونوں ایک دوسرے کے دوست تھے اور کوئی بھی دھوکہ دہی کا مرتکب ہونے کا سوچ بھی نہیں سکتا تھا۔

جب بھی اس کا دل اس سے مخاطب ہوتا، اس کا مقصد لڑکے کو سوچنے کے لیے آمادہ کرنا ہوتا تھا اور اسے طاقت پہنچانا کیونکہ صحرا کے دن بہت ہی تکلیف دہ تھے۔ اس کے دل نے اسے بتایا کہ اس کی سب سے بڑی طاقت کیا ہے؟..... اس کی ہمت۔ بھیڑوں کو چھوڑ کر اپنے خواب کی تعبیر کی تلاش کی ہمت..... اور اس کا عزم جس کا مظاہرہ اس نے کرسٹل شاپ میں کام کے دوران کیا تھا۔

اس کے علاوہ اس کے دل نے لڑکے کو ایک ایسی چیز کے بارے میں بھی آگاہ کیا جس سے وہ اب تک لاعلم تھا اس نے اسے ان خطرات کے بارے میں بتایا جو لڑکے کو کبھی لاحق تھے مگر وہ ان سے یکسر لاعلم تھا۔

All is well

اس نے بتایا کہ ایک روز اس نے وہ رائفل لڑکے کی آنکھوں سے اوجھل کر دی تھی جو لڑکے نے اپنے باپ سے لی تھی کہ مبادا لڑکا اپنے آپ کو نقصان پہنچا بیٹھے۔ اور پھر ایک روز جب لڑکے کو بہت زیادہ تھکی آئی اور وہ نڈھال ہو کر زمین پر گر گیا اور اسے نیند آگئی۔ اس روز دو ڈاکو راستے میں اس لیے گھات لگا کر بیٹھے ہوئے تھے کہ جب وہ وہاں سے گزرے گا تو اسے قتل کر کے اس کی بھیڑیں چھین لیں گے لیکن جب وہ کافی دیر تک وہاں سے نہ گزرا تو وہ دونوں مایوس ہو کر چلے گئے۔

"کیا انسان کا دل ہمیشہ اس کی مدد کرتا ہے؟" لڑکے نے کیمیا گر سے پوچھا۔

"زیادہ تر تو وہ ان لوگوں کی مدد کرتا ہے جنھیں اپنی منزل کی تلاش ہوتی ہے مگر یہ بچوں اور ضعیف العمر لوگوں کی بھی مدد کرتے ہیں۔" کیمیا گر نے جواب دیا۔

ایک دوپہر ان کا گزر ایک قبیلے کے پڑاؤ کے پاس سے ہوا۔ پڑاؤ کے ہر کونے پر خوبصورت کپڑوں میں ملبوس مسلح عربی پہرا دے رہے تھے۔ کچھ مرد حقہ پی رہے تھے اور جنگ کی کہانیاں سنا رہے تھے۔ کوئی بھی ان دونوں کی طرف متوجہ نہیں ہوا۔

"ہمیں کوئی خطرہ نہیں ہے۔" لڑکا اس وقت بولا جب وہ لوگ پڑاؤ سے گزر گئے۔

"اپنے دل پر اعتماد ضرور کرو مگر یہ نہ بھولو کہ تم صحرا میں ہو۔" کیمیا گر غصے سے بولا۔ "جب بھی لوگ لڑائی میں مشغول ہوتے ہیں تو کائنات کی روح انسانوں کی چیخیں سن سکتی ہے اور کوئی بھی آسمان کے نیچے ہونے والے واقعات کے ردعمل سے محفوظ نہیں رہتا۔"

"تمام چیزیں دراصل ایک ہی ہیں۔" لڑکے نے سوچا۔

دو گھوڑ سوار ان کے عقب سے ظاہر ہوئے۔ ایسے لگتا تھا کہ صحرا کیمیا گری بات سچ ثابت کرنے پر تل گیا تھا۔

"رک جاؤ۔" ایک گھوڑ سوار نے انھیں مخاطب کیا۔

"تم اس علاقے میں ہو جہاں قبائل کے درمیان لڑائی ہو رہی ہے۔"

"لیکن ہم لوگ زیادہ دور نہیں جا رہے۔" کیمیا گر نے گھوڑ سوار کی آنکھوں میں دیکھتے ہوئے جواب دیا۔ دونوں گھوڑ سواروں نے کچھ دیر خاموش رہنے کے بعد دونوں کو آگے جانے کی اجازت دے دی۔ لڑکا دونوں کی گفتگو حیرت سے سن رہا تھا۔

"تمہارے دیکھنے کے انداز نے دونوں کو مغلوب کر دیا تھا" لڑکا کیمیا گر سے بولا۔

"نگاہیں تمہارے اندر کی طاقت کا مظہر ہوتی ہیں۔" کیمیا گر نے جواب دیا۔

"یقیناً!" لڑکے نے سوچا۔ اسے اس بات کا اس سے قبل بھی تجربہ ہوا تھا۔

آخر کار دونوں نے ایک پہاڑی سلسلے کو عبور کیا تو کیمیا گر نے بتایا کہ اب وہ لوگ اہرام سے صرف دو گھنٹے کے فاصلے پر ہیں۔ "اور جلد ہی ہمارے راستے جدا ہو جائیں گے۔"

"تو پھر مجھے کیمیا گری سکھا دیجیے" لڑکے نے التجا کی۔





"تم تو پہلے سے ہی کیمیا گری جانتے ہو۔" کیمیا گر نے جواب دیا۔

"اصل کیمیا گری ہے کائنات کی روح تک رسائی اور ان خزانوں کی تلاش جو تمہارے لیے محفوظ کیے گئے ہیں"۔

"میں دھات کو سونے میں بدلنے کا فن جاننا چاہتا ہوں" لڑکا بولا۔

"دنیا میں موجود ہر چیز ارتقا کے عمل سے گزری ہے اور دانا لوگوں کے مطابق سونا اس عمل سے سب سے طویل عرصہ تک گزرا ہے۔ یہ نہ پوچھنا کہ ایسا کیوں ہوا ہے کیونکہ یہ میں بھی نہیں جانتا۔ لیکن مجھے یقین ہے کہ روایت ہمیشہ درست ہوتی ہے۔ لوگ ہمیشہ دانا لوگوں کی بات سمجھنے سے قاصر رہتے ہیں۔ اس لیے سونا عملاً ارتقا کی علامت کی بجائے اختلاف کی علامت بن گیا"۔

"ہر ایک شے کی کئی زبانیں ہیں۔" لڑکا بولا۔

"کبھی اونٹ کی آواز میرے لیے صرف ایک جانور کی آواز تھی لیکن پھر یہ خطرے کی گھنٹی کے مترادف ہو گئی اور اب پھر سے یہ صرف ایک جانور ایک آواز ہے۔"

"میری کئی کیمیا گروں سے ملاقات ہوئی ہے۔" کیمیا گر بولا۔

"انہوں نے اپنی عمریں لیبارٹریوں میں گزار دیں اور دھات کو اس ارتقا کے عمل سے گزارا جس سے کہ سونا گزرا ہے۔ ان کی تحقیق سنگ فلسفہ تک بھی ہوئی۔ جب انہیں معلوم ہوا کہ جب کوئی چیز ارتقا کے عمل سے گزرتی ہے تو اس کے اردگرد کی تمام اشیا بھی اس عمل سے گزرتی ہیں۔ کچھ کیمیا گروں کو اتفاقاً سنگ فلاسفہ تک رسائی مل گئی۔ وہ پہلے ہی نوازے ہوئے لوگ تھے اور ان کی روح اور لوگوں کی نسبت اس کے لیے پہلے سے تیار تھی۔ لیکن ان کی تعداد بہت ہی مختصر ہے۔ اور کچھ لوگ ایسے بھی تھے جن کو صرف سونے سے دلچسپی تھی ان لوگوں کو اس راز تک کبھی بھی رسائی نصیب نہیں ہو سکی۔ وہ یہ بھول گئے کہ سیسہ، تانبا اور لوہے کی اپنی اپنی منزلیں ہیں اور جو کوئی بھی کسی اور چیز کی منزل میں مداخلت کرے گا وہ اپنی منزل تک کبھی بھی نہیں پہنچ سکتا۔"

کیمیا گر کے الفاظ لڑکے کو مردہ لگے۔

کیمیا گر نے ریت سے ایک سیپی اٹھائی اور بولا: "کبھی یہ صحرا بھی سمندر رہا ہو گا۔"

"مجھے معلوم ہے" لڑکے نے جواب دیا۔ کیمیا گر نے لڑکے کو کہا کہ وہ سیپی کو اپنے کانوں کے ساتھ لگائے۔ لڑکے نے بچپن میں کئی بار سیپی اپنے کانوں کے ساتھ لگائی تھی اور اسے سمندر کی گونج سنائی دی تھی۔

"سمندر اس سیپی میں اس لیے سما گیا کہ یہی اس کی منزل ہے اور یہ اسی طرح ہی رہے گا جب تک صحرا دوبارہ سمندر میں نہیں بدل جاتا۔"

دونوں اپنے گھوڑوں پر سوار ہوئے اور اہرام کی سمت میں چل پڑے۔
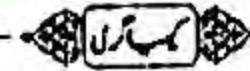
سورج غروب ہونے کے قریب لڑکے کو خطرے کی گھنٹی سنائی دی۔ دونوں اونچے ٹیلوں میں گھر گئے۔ لڑکے نے کیمیا گر کی طرف دیکھا کہ اس نے کچھ محسوس کیا تھا یا نہیں۔ لیکن وہ کسی بھی خطرے سے بے نیاز تھا۔ پانچ منٹ بعد دونوں کا سامنا دو گھوڑ سواروں سے ہوا جو شاید ان کے انتظار میں تھے۔ اس سے قبل کہ لڑکا کیمیا گر سے کچھ کہتا ان گھوڑ سواروں کی تعداد دس اور پھر سو ہو گئی اور پھر وہ ٹیلوں میں ہر طرف پھیلے ہوئے نظر آنے لگے۔

یہ نیلے کپڑوں میں ملبوس قبائلی تھے اور ان کے چہرے نیلے نقابوں کے پیچھے چھپے ہوئے تھے اور صرف ان کی آنکھیں نظر آ رہی تھیں۔ اتنے فاصلے کے باوجود ان کی نظریں ان کی اندرونی کیفیت کی مظہر تھیں۔ ان کی آنکھوں میں موت جھلک رہی تھی۔

دونوں کو ایک فوجی کیمپ میں لے جایا گیا۔ ایک محافظ دونوں کو ایک ایسے خیمے میں لے گیا جہاں سردار میٹنگ میں مصروف تھا۔

"یہ دونوں جاسوس ہیں۔" ایک محافظ بولا۔

"ہم تو صرف مسافر ہیں۔" کیمیا گر نے جواب دیا۔

"دو دن قبل تم دونوں دشمن کے ایک کیمپ کے قریب دیکھے گئے تھے اور تم لوگ دشمن کے ایک آدمی سے محو گفتگو تھے۔" ایک سردار بولا۔

"میں تو ایک صحرا میں آوارہ گردی کرنے والا شخص ہوں۔ مجھے قبائل کی لڑائی سے بالکل کوئی دلچسپی نہیں ہے اور نہ ہی مجھے ان کی حرکات کے بارے میں کوئی علم ہے۔ میں تو صرف اپنے دوست کی رہنمائی کر رہا ہوں" کیمیا گر نے کہا۔

"تمہارا دوست کون ہے؟" سردار نے پوچھا۔

"کیمیا گر ہے۔" کیمیا گر نے جواب دیا۔

"یہ قدرت کی طاقتوں کو پہچانتا ہے اور آپ کے سامنے اپنی غیر معمولی طاقت کا مظاہرہ کرنا چاہتا ہے۔"

لڑکا خاموشی اور خوف سے سن رہا تھا۔

"ایک غیر ملکی یہاں کیا کر رہا ہے؟" ایک اور عرب نے پوچھا۔
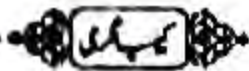




"یہ آپ کے قبیلے کو دینے کے لیے رقم لایا ہے۔" اس سے قبل کہ لڑکا بولتا۔ کیمیا گر نے جواب دیا اور لڑکے کے تھیلے میں سے سونے کے سکے نکال کر سردار کے حوالے کر دیے۔

سردار نے خاموشی سے یہ سکے وصول کر لیے۔ یہ بہت سارے ہتھیار خریدنے کے لیے کافی تھے۔

"کیمیا گر کیا ہوتا ہے؟" سردار نے سوال کیا۔

"کیمیا گر وہ شخص ہوتا ہے جو دنیا اور قدرت کو جانتا ہو۔ اگر یہ چاہے تو آپ کے اس کیمپ کو صرف ہوائی طاقت کے ذریعے ملیامیٹ کر سکتا ہے۔"

خیمے میں قہقہے گونجنے لگے وہ سب لوگ جنگ کی ہلاکت خیزیوں کے عادی تھے اور انہیں یقین تھا کہ ہوا ان کا کچھ بگاڑنے سے قاصر تھی لیکن پھر بھی ان کے دلوں کی دھڑکنیں تیز ہو گئی تھیں۔ وہ صحرانشین تھے اور خطرناک جادوگر تھے۔

"میں یہ دیکھنا چاہوں گا کہ لڑکا یہ سب کچھ کس طرح کرتا ہے؟" سردار بولا۔

"اس کام کے لیے اسے تین دن درکار ہوں گے" کیمیا گر نے جواب دیا۔

"یہ اپنے آپ کو ہوا میں تحلیل کرے گا تاکہ آپ کے سامنے اپنی طاقت کا مظاہرہ کر سکے۔ اگر یہ ایسا کرنے میں ناکام رہا تو آپ کو اپنی جان کا نذرانہ پیش کرے گا۔"

"تم مجھے اس چیز کا نذرانہ کیسے پیش کرو گے جو ہے ہی میری ملکیت" سردار نے غصے سے جواب دیا۔

انہیں تین دن کی مہلت دے دی۔

لڑکے کا خوف کے مارے برا حال ہو رہا تھا۔ کیمیا گر نے اسے سہارا دیا اور وہ دونوں خیمے سے باہر آ گئے۔

"انہیں یہ مت معلوم ہونے دو کہ تم خوفزدہ ہو۔" کیمیا گر نے اس کے کان میں سرگوشی کی۔ "یہ بہادر لوگ ہیں اور بزدلی سے نفرت کرتے ہیں۔"

لیکن لڑکا کچھ بولنے سے قاصر تھا۔ انہیں قید کرنے کی کوئی ضرورت نہیں تھی کیونکہ صحرا میں سواری کے بغیر ہر انسان قیدی ہی تھا اور ان کے گھوڑے پہلے ہی ضبط ہو چکے تھے۔ ایک دفعہ قدرت نے پھر اپنی کئی زبانوں کا مظاہرہ کیا تھا، صحرا جو صرف تھوڑی دیر پہلے آزادی کی علامت تھا اب ایک ناقابل عبور فصیل کی شکل اختیار کر گیا تھا۔

"تم نے انہیں میری جمع پونجی دے دی ہے۔" لڑکے نے کیمیا گر سے گلہ کیا۔ "وہ سب کچھ جمع کرنے میں میں نے پوری زندگی گزاری ہے۔"

"اس دولت کی تمہارے لیے کیا حیثیت ہوتی اگر تم زندہ ہی نہ ہوتے؟" کیمیا گر نے جواب دیا۔

"تمہاری دولت نے ہمیں زندگی کے تین دن مہیا کیے ہیں اور دولت انسان کو اتنا کچھ کبھی نہیں دے سکتی۔"

لڑکا اتنا خوف زدہ تھا کہ اس پر دانائی کی باتوں کا کوئی اثر نہیں ہو رہا تھا۔ اسے کچھ سمجھ نہیں آ رہا تھا کہ وہ اپنے آپ کو ہوا میں کیسے تحلیل کرے گا؟ وہ آخر کیمیا گر تو نہیں تھا۔

کیمیا گر نے محافظ سے قہوہ منگوایا اور لڑکے کی کلائی پر تھوڑا سا قہوہ انڈیلا اس کے جسم میں سکون کی ایک لہر دوڑ گئی۔

کیمیا گر نے زیر لب کچھ پڑھا جو اس کی سمجھ سے بالاتر تھا۔

"اپنے آپ پر خوف مت طاری ہونے دو۔" کیمیا گر نرمی سے بولا۔ "اگر تم نے ایسا کیا تو تم اپنے دل سے مخاطب نہیں ہو سکو گے۔"

"لیکن مجھے نہیں معلوم کہ میں اپنے آپ کو ہوا میں کیسے تحلیل کروں؟" لڑکے نے کہا۔

"اگر کوئی اپنی منزل کی تلاش کی لگن رکھتا ہے تو اسے ہر اس چیز کا علم ہوتا ہے جس کی اسے ضرورت ہوتی ہے۔ صرف ایک چیز اس خواب کی تعبیر تک پہنچنے میں رکاوٹ ہوتی ہے وہ ہے خوف........ ناکامی کا خوف" کیمیا گر نے جواب دیا۔

"میں ناکامی سے خوفزدہ نہیں ہوں مجھے معلوم ہی نہیں ہے کہ میں اپنے آپ کو ہوا میں کیسے تحلیل کروں؟"

"تو پھر تمہیں سیکھنا پڑے گا کیونکہ اسی پر تمہاری زندگی کا انحصار ہے۔"

"لیکن اگر میں ایسا نہ کر سکا تو؟"

"تو پھر اپنی منزل کی تلاش میں تمہیں اپنی جان سے ہاتھ دھونا پڑیں گے۔ لیکن بہر حال تمہاری موت ان لاکھوں لوگوں کی موت سے بہر حال بہتر ہو گی جنہیں یہی معلوم نہیں کہ ان کی منزل کیا ہے؟ پریشان ہونے کی کوئی بات نہیں ہے۔ کبھی کبھی موت کا خوف انسان کو زندگی سے زیادہ قریب کر دیتا ہے۔"

***

پہلا دن گزر گیا۔ نزدیک ہی قبائل کے درمیان خون ریز جھڑپ ہوئی اور کئی زخمی کیمپ میں لائے گئے اور مرنے والوں کی جگہ نئی کمک پہنچا دی گئی اور زندگی اپنی ڈگر پر دوبارہ سے رواں دواں ہو گئی۔

"موت کچھ بھی بدلنے سے قاصر ہے۔" لڑکے نے سوچا۔

"تم کچھ عرصہ اور بھی زندہ رہ سکتے تھے۔" ایک جنگجو اپنے ساتھی کی لاش سے مخاطب تھا۔

"لیکن بہر حال تمہیں ایک دن مرنا تھا۔ اور آج کے دن مرنا کل مرنے سے مختلف نہیں ہے۔"

شام کے قریب کیمیا گر صحرا کی طرف سے اپنے باز کے ساتھ آتا دکھائی دیا وہ شکار کے لیے گیا تھا۔

"مجھے ابھی تک نہیں معلوم کہ میں اپنے آپ کو ہوا میں کیسے تحلیل کر سکتا ہوں؟" لڑکا کیمیا گر سے مخاطب ہوا۔

"یاد کرو کہ میں نے تمہیں کیا بتایا تھا کہ دنیا خدا کا دکھائی دینے والا پہلو ہے۔ اور کیمیا گری روحانی کمال کو مادی وجود کے ساتھ منطبق کرنے کا نام ہے" کیمیا گر نے جواب دیا۔





"آپ یہ کیا کر رہے ہیں؟"

"اپنے باز کو کھانا کھلا رہا ہوں۔"

"میں اپنے آپ کو ہوا میں تحلیل کرنے سے قاصر ہوں اس لیے ہم دونوں مرنے والے ہیں تو پھر اس کو کھانا کھلانے کا کیا مقصد ہے؟"

"تم شاید موت سے ہمکنار ہو جاؤ" کیمیا گر نے جواب دیا۔

"مجھے تو اپنے آپ کو ہوا میں تحلیل کرنا آتا ہے۔"

***

دوسرے دن لڑکا کیمپ کے قریب موجود پہاڑی پر چڑھ گیا۔ محافظوں نے کوئی اعتراض نہیں کیا۔ انہیں معلوم تھا کہ یہ لڑکا اپنے آپ کو ہوا میں تحلیل کر سکتا ہے اس لیے وہ اس کے قریب جانے سے گھبرا رہے تھے۔ اس نے تمام دوپہر صحرا کو گھورتے اور اپنے دل کی آواز سننے میں گزار دی۔ اس نے اندازہ لگایا کہ صحرا نے اس کا خوف محسوس کر لیا تھا دونوں کی ایک ہی زبان تھی۔

***

تیسرے دن سردار نے کیمیا گر کو بلایا:

"چلو دیکھتے ہیں کہ لڑکا اپنے آپ کو ہوا میں کیسے تحلیل کرتا ہے۔" سردار بولا۔

"چلیں۔" کیمیا گر نے جواب دیا۔

لڑکا ان سب کو ایک پہاڑی پر لے گیا۔ جہاں وہ کل گیا تھا۔ اس نے تمام لوگوں کو بیٹھنے کا اشارہ کیا۔

"آپ کو تھوڑی دیر انتظار کرنا ہو گا۔" لڑکا بولا۔

"ہمیں کوئی جلدی نہیں ہے۔" سردار نے جواب دیا۔ "ہم صحرا نشین ہیں۔"

لڑکے نے افق کی جانب دیکھا۔ کچھ فاصلے پر پہاڑوں کا سلسلہ تھا اور ٹیلے، چٹانیں۔ پودے ایک ایسی زمین میں زندہ رہنے کی تگ و دو میں مصروف تھے جہاں زندگی ناممکن تھی۔

یہ وہی صحرا تھا جس تک پہنچنے اور اس کو جاننے کی اس میں کبھی شدید تڑپ تھی لیکن وہ صحرا کے اس چھوٹے سے ٹکڑے سے آگاہی حاصل کر رہا تھا۔ اس حصے میں اس کی ملاقات انگریز سے ہوئی تھی۔ قافلے سے مختلف قبائل سے اور نخلستان جس میں پچاس ہزار کھجور کے درخت اور تین سو کنویں تھے۔

"آج تمہیں کیا چاہیے؟" صحرا نے اس سے پوچھا۔

"کیا تم نے مجھے دیکھنے میں کافی وقت نہیں گزارا؟"

"تمہارے بیچ میں کہیں ایسا شخص ہے جس سے مجھے محبت ہے؟" لڑکا بولا۔

"اس لیے جب میں تمہاری ریت کو دیکھتا ہوں تو دراصل میں اس کا دیدار کر رہا ہوتا ہوں۔ میں اس کے پاس واپس جانا چاہتا ہوں اور مجھے تمہاری مدد درکار ہے تاکہ میں اپنے آپ کو ہوا میں تحلیل کر سکوں۔"

"محبت کیا چیز ہوتی ہے؟" صحرا نے پوچھا۔

"محبت تمہاری ریت کے اوپر شاہین کی پرواز ہے۔ کیونکہ اس کے لیے تم ایک ہرا بھرا میدان ہو جہاں سے وہ اپنے شکار کے ساتھ واپس لوٹتا ہے۔ اسے تمہارے ٹیلوں اور پہاڑیوں کا علم ہے اور وہ یہ بھی جانتا ہے کہ تم اس کے ساتھ بہت مہربان ہو۔"

"باز کی چونچ میں تو دراصل میرا ہی وجود ہوتا ہے" صحرا نے جواب دیا۔ "صدیوں تک میں نے اس کے لیے شکار کا بندوبست کیا ہے۔ میں اپنے اندر موجود پانی کے آخری قطرے سے اس کے شکار کو پالتا ہوں اور پھر اس کی رہنمائی اس شکار تک کرتا ہوں اور جب میں اس بات میں فخر محسوس کر سکتا ہوں کہ اس کا شکار میرے وجود پر زندہ ہے تو وہ یک دم آسمان کی بلندیوں میں سے زقند لگاتا ہے اور جو میں نے تخلیق کیا تھا اسے لے کر غائب ہو جاتا ہے۔"

"آخر تم نے شکار کو پالا بھی تو اسی مقصد کے لیے تھا۔" لڑکے نے اسے تسلی دیتے ہوئے کہا۔

"تاکہ باز اس پر پل سکے اور باز پھر انسان کی خوراک کا بندوبست کرتا ہے اور بدلے میں انسان تمہاری پرورش کرتا ہے تاکہ شکار دوبارہ پیدا ہو سکے اور اس کی طرح تمام دنیا رواں دواں ہے۔"

"تمہاری بات میری سمجھ سے بالاتر ہے۔" صحرا نے جواب دیا۔

"آخر تم یہ بات تو سمجھ سکتے ہو کہ تمہارے بیچ میں ایک ایسی عورت موجود ہے جو میری منتظر ہے اور اس کے لیے مجھے اپنے آپ کو ہوا میں تحلیل کرنا ہے۔" صحرا کچھ دیر کے لیے خاموش رہا پھر بولا۔ "میں اپنی ریت تو تمہیں دے سکتا ہوں کہ وہ ہوا کی مدد کر کے چلے۔ لیکن میں اکیلا کچھ نہیں کر سکتا اس کے لیے تمہیں ہوا سے کہنا ہوگا۔"

یک دم ہوا چلنے لگی۔ قبائلی لوگ کچھ فاصلے سے لڑکے کو بغور دیکھ رہے تھے وہ ایک ایسی زبان میں محو گفتگو تھے جو لڑکے کی سمجھ سے بالاتر تھی۔





ہوا لڑکے کے پاس آئی اور اس کے چہرے کو چھوا۔ وہ اس کی صحرا کے ساتھ ہونے والی گفتگو سے واقف تھی۔ کیونکہ ہوا سب کچھ جانتی ہے۔ اس کی کوئی جائے ولادت نہیں ہے اور نہ ہی اسے موت کا کوئی ڈر ہے۔ وہ بلا خوف و خطر پوری دنیا میں گھومتی ہے۔

"میری مدد کرو۔" لڑکے نے ہوا سے التجا کی۔ "جس طرح ایک دن تم نے میرے محبوب کی آواز مجھ تک پہنچانے میں میری مدد کی تھی۔"

"تمہیں صحرا اور ہوا کی زبان کس نے سکھائی ہے؟"

"میرے دل نے!" لڑکے نے جواب دیا۔

ہوا کے کئی نام ہیں زمین کے کسی گوشے میں اس کا نام بادِ نسیم ہے کیونکہ یہ اپنے ساتھ نمی لاتی ہے۔ کہیں دور کسی جگہ جہاں سے یہ لڑکا آیا تھا اس کا نام لیوانٹر ہے۔ اس جگہ کے لوگوں کا خیال ہے کہ اس کے ساتھ صحرا کی ریت اور مراکش کے فاتح آئے تھے۔ اسی طرح اس علاقے سے دور شمال میں رہنے والے لوگوں کا خیال ہوگا کہ شاید ہوا اندلس کی جانب سے آئی ہے۔ جبکہ ہوا کی کوئی منزل ہی نہیں ہے۔ شاید اس لیے وہ صحرا سے بھی زیادہ طاقتور ہے۔ شاید ایک دن کوئی صحرا میں درخت اگانے میں کامیابی حاصل کر لے گا اور ریوڑ بھی پال لے لیکن ہوا کو کوئی قابو نہیں کر سکتا۔

"تم ہوا نہیں بن سکتے۔" ہوا نے جواب دیا۔

"ہم دو بالکل مختلف وجود ہیں۔"

"یہ حقیقت نہیں ہے۔" لڑکے نے جواب دیا۔

"میں نے کیمیا گری کا گُر اپنے سفر کے دوران سیکھا۔ میرے اندر ہوا، صحرا، سمندر، فلک، ستارے اور غرض سب کچھ موجود ہے۔ ہم ایک ہی ہاتھ کی تخلیق ہیں اور ہمارے اندر ایک ہی روح کارفرما ہے۔ میں تمہارے جیسا ہونا چاہتا ہوں، اور دنیا کے ہر گوشے میں پہنچنا چاہتا ہوں صحرا عبور کرنا چاہتا ہوں جس نے میرے خزانے کو ڈھانپ رکھا ہے اور اس عورت کی آواز تک جانا چاہتا ہوں جس سے مجھے محبت ہے۔"

"میں نے ایک دن کیمیا گر کے ساتھ تمہاری گفتگو سنی تھی۔" ہوا بولی۔

"وہ کہہ رہا تھا کہ ہر ایک چیز کی اپنی منزل ہے لیکن آدمی کی منزل ہوا میں تحلیل ہونا نہیں ہے۔"

"مجھے یہ ہنر صرف چند لمحوں کے لیے سکھا دو" لڑکے نے التجا کی۔

"تاکہ مجھے انسانوں اور ہوا کی لامحدود صلاحیتوں کا اندازہ ہو سکے۔"

ہوا کے تجسس میں اضافہ ہو چکا تھا۔ یہ ایسا واقعہ تھا جو آج تک کبھی نہیں ہوا تھا۔ وہ بھی اس بات میں دلچسپی رکھتی تھی۔ مگر اسے نہیں معلوم تھا کہ انسان کو ہوا میں کیسے تحلیل کرے۔ حالانکہ اسے بہت سی چیزوں پر عبور حاصل تھا۔ اس نے صحرا تخلیق

کیا اور جہازوں کو سمندر میں ڈبویا۔ جنگلات کو ویران کیا اور موسیقی میں گونجتے ہوئے شہروں سے اس کا گزر ہوا تھا۔ اس کا خیال تھا کہ وہ لامحدود ہے لیکن پھر بھی لڑکے کا تقاضا تھا کہ ہوا کو اور بھی کچھ کرنے کی ضرورت ہے۔

"اسی کا نام محبت ہے۔" لڑکا بولا۔ اس کا خیال تھا کہ ہوا نے درخواست منظور کر لی ہے۔

"جب تم محبت کرتے ہو تو تم تخلیق کا ہر عمل انجام دے سکتے ہو۔ جب تم محبت کرتے ہو تو اس بات کی قطعاً ضرورت نہیں ہوتی کہ یہ معلوم کیا جائے کہ کیا ہو رہا ہے؟ کیونکہ سب کچھ تمہارے اندر ہی ہوتا ہے۔ حتیٰ کہ انسان اپنے آپ کو ہوا میں بھی تحلیل کر سکتا ہے اگر ہوا اس کی مدد کرے تو۔"

ہوا ہمیشہ سے مغرور رہی تھی۔ لڑکے کی بات اسے ناگوار گزر رہی تھی۔ اس نے چاہا کہ وہ شدت سے چلے۔ صحرا کی ریت کو اڑاتی ہوئی۔ لیکن اسے بھی یہ اقرار کرنا پڑا کہ دنیا کے ہر گوشے سے گزرنے کی طاقت رکھنے کے باوجود وہ انسان کو ہوا میں تحلیل کرنے سے قاصر تھی کیونکہ وہ محبت سے لاعلم تھی۔

"دنیا کے سفر کے دوران میں نے لوگوں کو محبت کا ذکر کرتے سنا ہے اور انہیں سورج کی طرف گھورتے ہوئے دیکھا ہے۔" ہوا نے اپنی ناکامی پر تلخی سے کہا۔

"شاید بہتر ہوگا کہ تم سورج سے مدد مانگو۔"

"ٹھیک ہے تو پھر میری مدد کرو" لڑکا بولا۔

"تمام فضا کو ریت کے طوفان سے اس طرح بھر دو کہ سورج اس میں ڈوب جائے تاکہ میں آسمان کی طرف دیکھ سکوں اور سورج سے بات کر سکوں اپنی بینائی گنوائے بغیر۔"

ہوا نے اپنی تمام تر طاقت کے ساتھ چلنا شروع کر دیا۔ تمام فضا ریت سے بھر گئی اور سورج ایک سنہری تھال کی مانند بن گیا۔ کیمپ میں کچھ نظر نہیں آ رہا تھا۔ صحرا کے لوگ ہوا کی شدت سے واقف تھے وہ لوگ اسے بادِ سموم کے نام سے جانتے تھے۔ اس کی شدت سمندر کے طوفان سے بھی زیادہ تھی۔ جانور تکلیف سے بلبلا رہے تھے اور خیمے اور ہتھیار ریت سے بھر چکے تھے۔

"بہتر ہوگا کہ ہم یہ سب ختم کر دیں۔" بلندی پر کھڑے ایک کمانڈر نے سردار سے کہا۔ انہیں لڑکا بمشکل نظر آ رہا تھا۔ ان کے نیلے ڈھاٹوں سے نظر آنے والی آنکھوں میں خوف تھا۔

"ہاں اسے روکیں۔" ایک اور کمانڈر بولا۔

"میں خدا کی عظمت کا مظاہرہ کرنا چاہتا ہوں۔" سردار کے لہجے میں عقیدت تھی۔

"میں دیکھنا چاہتا ہوں کہ ایک انسان کس طرح اپنے آپ ہوا میں تحلیل کر سکتا ہے۔"

سردار نے دونوں کمانڈروں کے نام ذہن نشین کر لیے۔ وہ ان دونوں کو برخاست کرنے کا ارادہ رکھتا تھا۔ اس کے خیال میں صحرا نشینوں کو کبھی خوفزدہ نہیں ہونا چاہیے۔

"ہوا نے مجھے بتایا کہ تم محبت کے بارے میں جانتے ہو۔" لڑکا سورج سے مخاطب ہوا۔





"اگر تم محبت کے بارے میں جانتے ہو تو تمہیں کائنات کی روح سے بھی ضرور آگاہی ہوگی کیونکہ اس کی تخلیق بھی محبت سے ہوئی ہے۔"

"جہاں میں ہوں۔" سورج نے جواب دیا۔

"میں کائنات کی روح کا آسانی سے نظارہ کر سکتا ہوں۔ یہ میری روح سے مخاطب ہوتی ہے۔ ہم دونوں مل کر زمین کو زندگی دیتے ہیں اور بھیڑوں کو سائے کی تلاش سکھاتے ہیں۔ زمین سے اتنی دوری پر میں نے محبت کرنا سیکھا ہے۔ مجھے معلوم ہے کہ اگر میں تھوڑا سا بھی زمین کے قریب آیا تو زمین پر موجود ہر چیز فنا ہو جائے گی اور روح کائنات ختم ہو جائے گی۔ اس لیے ہم مسلسل اس بات پر غور کرتے ہیں کہ ہر شے کو دوام کیسے دیں۔ میں زمین کو حرارت دیتا ہوں اس لیے کہ زمین کی بقا کے ساتھ میری اپنی بقا وابستہ ہے۔"

"تو پھر تمہیں محبت کے بارے بھی میں معلوم ہے۔" لڑکے نے سوال کیا۔

"اور مجھے کائنات کی روح کا بھی پتہ ہے کیونکہ ہم دونوں کائنات کے نہ ختم ہونے والے سفر کے دوران ہمیشہ محو گفتگو رہے ہیں۔ اس نے مجھے بتایا کہ اس کا سب سے بڑا مسئلہ یہ ہے کہ اب تک صرف نباتات اور جمادات ہی یہ بات جانتے ہیں کہ تمام چیزوں کی اصل ایک ہے۔ نہ تو لوہے کو تانبا بننے کی ضرورت ہے اور نہ تانبے کو سونا بننے کی۔ ہر ایک کا اپنا ایک کام ہے جو دوسرے سے بالکل منفرد ہے۔ اور اگر وہ خالق جس نے سب تخلیق کیا ہے کائنات کی تخلیق کے پانچویں روز آرام کرتا تو کچھ بھی وجود میں نہ آتا۔"

"اور پھر تخلیق کا چھٹا روز بھی تو تھا۔" سورج نے اپنی بات جاری رکھی۔

"تم بہت دانا ہو کیونکہ تم اس دوری سے ہر چیز کا مشاہدہ کرتے ہو جہاں سے کوئی شے پوشیدہ نہیں ہے۔" لڑکا بولا۔

"لیکن تم محبت سے بالکل ناواقف ہو۔ اگر تخلیق کا چھٹا دن نہ ہوتا تو انسان کا وجود بھی نہ ہوتا۔ تانبا ہمیشہ تانبا ہی رہتا اور سیسہ ہمیشہ سیسہ۔ یہ سچ ہے کہ ہر چیز کی اپنی منزل ہے۔ اور ایک دن ہر چیز اپنی منزل پر پہنچ جائے گی۔ اس لیے ہر شے اپنے آپ کو کسی بہتر چیز میں تحلیل کرنے میں مصروف ہے تاکہ ایک روز اپنی منزل تک پہنچ جائے۔ جس روز ہر شے کائنات کی روح میں واپس ضم ہو جائے گی۔"

سورج نے اس کے بارے میں غور کیا اور زیادہ شدت سے چمکنے کا ارادہ کیا۔ ہوا جو اب تک تمام گفتگو غور سے سن رہی تھی زیادہ شدت سے چلنے لگی تاکہ سورج لڑکے کی بینائی کو متاثر نہ کر سکے۔

"اسی لیے کیمیا گری معرضِ وجود میں آئی۔" لڑکے نے اپنی بات جاری رکھی۔

"تاکہ سب اپنے خزانے کو کھوج سکیں۔ اور اپنی گزشتہ زندگی سے بہتر بن سکیں۔ سیسہ اس وقت تک اپنا کردار ادا کرتا رہے گا جب تک دنیا کو سیسے کی ضرورت رہے گی۔ اور جب اس کی ضرورت نہیں رہے گی تو پھر سیسہ سونے میں بدل جائے

گا۔ اور یہی کیمیا گر کرتے ہیں۔ وہ ہمیں بتاتے ہیں کہ جب ہم جو آج ہیں اس سے بہتر بننے کی کوشش کرتے ہیں تو ہمارے اردگرد موجود ہر شے بہتر بن جاتی ہے۔"

"یہ تو ٹھیک ہے لیکن تم نے یہ کیوں کہا کہ میں محبت سے ناواقف ہوں؟" سورج نے لڑکے سے پوچھا۔

"کیونکہ محبت کا یہ تقاضا نہیں ہے کہ صحرا کی طرح ساکن رہیں اور نہ ہی یہ محبت ہے کہ ہوا کی طرح آوارہ گردی کی جائے۔ اور نہ یہ کہ اوپر سے صرف دنیا کا نظارہ کرتے رہیں۔ تمہاری طرح۔ محبت تو وہ طاقت ہے جو مسلسل ارتقا کے عمل سے گزر رہی ہے۔ اور روح کائنات کو تقویت دیتی ہے۔ جب مجھے پہلی بار روح کائنات تک رسائی ہوئی تو میرا خیال تھا کہ یہ ہر لحاظ سے مکمل ہے لیکن پھر مجھے معلوم ہوا کہ یہ بھی دوسری مخلوق کی طرح ہے۔ اس کی بھی اپنی تمنائیں اور اپنے دکھ ہیں۔ یہ ہم ہیں..... ہم انسان جو روح کائنات کی پرورش کرتے ہیں۔ اور یہ دنیا جس میں ہم رہتے ہیں یہ یا تو بہتر ہوگی یا پھر بربادی سے دوچار ہوگی۔ اس کا انحصار اس پر ہے کہ ہم خود بہتر بنتے ہیں یا زیادہ خراب۔ اور یہیں سے محبت کا کردار شروع ہوتا ہے۔ کیونکہ جب ہم محبت کرتے ہیں تو ہم بہتر سے بہترین ہونا چاہتے ہیں۔"

"تو پھر تم مجھ سے کیا چاہتے ہو؟" سورج نے سوال کیا۔

"مجھے تمہاری مدد کی ضرورت ہے۔ تاکہ میں ہوا میں تحلیل ہو سکوں۔" لڑکے نے جواب دیا۔

"کائنات میں مجھے سب سے دانا سمجھا جاتا ہے لیکن میں بھی اس بات پر قدرت نہیں رکھتا کہ تمہیں ہوا میں تحلیل کر سکوں۔" سورج نے جواب دیا۔

"تب پھر کون میری مدد کر سکتا ہے؟" لڑکے نے پوچھا۔

"تم اس قلم سے سوال کرو جس نے یہ سب تحریر کیا ہے۔" سورج نے جواب دیا۔

ہوا خوشی سے اور بھی تیز چلنے لگی۔ خیموں کے کھونٹے اکھڑنے لگے اور جانوروں کی رسیاں ٹوٹنے لگیں۔ لوگ ایک دوسرے کا سہارا لینے لگے تاکہ ہوا میں اڑنے سے محفوظ رہیں۔

لڑکا قلم کی طرف متوجہ ہوا۔ اس نے محسوس کیا جیسے تمام کائنات خاموش ہو گئی ہو تب اس نے قلم کو مخاطب کرنے کا ارادہ ترک کر دیا۔

اس کے دل میں محبت کا ایک طوفان موجزن تھا۔ اس نے دعا کرنا شروع کر دی۔ یہ وہ دعا تھی جو اس سے قبل اس نے کبھی نہیں مانگی تھی۔ کیونکہ یہ وہ دعا تھی جسے الفاظ کی ضرورت نہیں تھی۔

یہ نہ تو بھیڑوں کے ریوڑ پر شکر کا اظہار تھا اور نہ ہی کرسٹل کی دکان میں آمدنی بڑھ جانے کی خواہش کا اظہار۔ اور نہ ہی یہ التجا کہ اس کی محبوبہ اس کی منتظر رہے۔ اس خاموشی میں لڑکا سمجھ سکتا تھا کہ صحرا، سورج اور ہوا سب ہی اس قلم کی تحریر کو پہچانتے تھے اور اس پر دل و جان سے عمل پیرا بھی تھے۔





اسے معلوم تھا کہ نشانیاں پوری زمین اور پوری کائنات میں پھیلی ہوئی ہیں اور بظاہر ان کے وجود کی کوئی منطق سمجھ میں نہیں آتی۔ وہ دیکھ سکتا تھا کہ نہ صرف انسان بلکہ صحرا، ہوا اور سورج تک اپنی تخلیق کے مقصد سے لاعلم تھے لیکن خالق کے نزدیک ہر چیز کا ایک مقصد تھا۔ صرف اس کو اس چیز پر دسترس حاصل تھی کہ اگر وہ چاہے تو سمندر کو صحرا میں بدل دے یا پھر آدمی کو ہوا میں تحلیل کر دے۔

کیونکہ یہ صرف اس کو ہی معلوم ہے کہ کس چیز کو کس وقت کس طرح سے ہونا چاہیے تو وہ پورے نظام کے لیے خرابی نہیں بلکہ بہتری کا سبب ہوگی۔ اور اسے ہی معلوم ہے کہ ایک عظیم مقصد کے تحت تخلیق کے چھ روز صرف ایک نقطے میں مرکوز ہو کر کار عظیم بن گئے تھے۔

لڑکے نے روح کائنات پر غور کیا تو اسے محسوس ہوا کہ یہ خالق کی روح کا ایک پرتو تھا۔ اور وہ خود بھی اس کا پرتو تھا۔

اسے یقین ہو گیا کہ وہ بھی..... ایک لڑکا بھی محیر العقول کارنامے سرانجام دینے پر قدرت رکھتا تھا۔

بادسموم اس سے قبل کبھی اتنی شدت سے نہیں چلی تھی۔ کئی نسلوں تک عرب میں ایک لڑکے کے چرچے گونجتے رہے جس نے اپنے آپ کو ہوا میں تحلیل کر لیا تھا اور ایک فوجی کیمپ کو تباہ کر دیا تھا۔

جب بادسموم تھم چکی تو ہر ایک نے لڑکے کو اس جگہ تلاش کیا جہاں وہ تھوڑی دیر قبل کھڑا تھا لیکن اب وہ موجود نہیں تھا وہ کیمپ کے دوسری جانب ریت میں دبے ہوئے خیمے کے قریب کھڑا تھا۔

تمام لوگوں پر ایک انجانا سا خوف طاری تھا۔

مگر دو آدمی مسکرا رہے تھے۔

کیمیا گر..... اس لیے کہ اسے ایک قابل شاگرد مل گیا تھا۔

سردار..... اس لیے کہ اس شاگرد نے خدا کی عظمت کو پہچان لیا تھا۔

اگلے روز قبیلے والوں نے کیمیا گر اور لڑکے کو الوداع کیا۔ ان کے ساتھ ایک محافظ دستہ روانہ کیا گیا تاکہ وہ اس کی منزل تک انہیں باحفاظت پہنچا دے۔

پورا دن وہ لوگ محو سفر رہے۔ دوپہر کے بعد وہ ایک خانقاہ کے پاس پہنچے۔ کیمیا گر نے گھوڑے سے اترتے ہوئے محافظ دستے کو واپس جانے کی اجازت دے دی۔

"اس سے آگے تم اکیلے جاؤ گے۔" کیمیا گر نے لڑکے کو مخاطب کیا۔

"تم اہرام سے صرف تین گھنٹے کی مسافت پر ہو۔"

"بہت شکریہ" لڑکا بولا۔

"آپ نے مجھے عالمگیر زبان سکھائی۔"

"میں نے صرف اس چیز کو کریدا ہے جو تمہارے اندر پہلے سے موجود تھی۔" کیمیاگر نے خانقاہ کے دروازے پر دستک دیتے ہوئے جواب دیا۔ کالے لباس میں ملبوس ایک راہب باہر آیا۔ دونوں کچھ دیر تک غیر مانوس زبان میں گفتگو کرتے رہے اور پھر کیمیاگر نے لڑکے کو اندر آنے کو کہا۔

"میں نے تھوڑی دیر کے لیے اس کا باورچی خانہ استعمال کرنے کی اجازت مانگی ہے۔" کیمیاگر مسکرایا۔

وہ دونوں باورچی خانے میں داخل ہوئے۔ کیمیاگر نے چولہا روشن کیا جب کہ راہب سیسہ لے کر آیا۔ کیمیاگر نے یہ سیسہ چولہے پر لوہے کے برتن میں رکھ دیا۔

تھوڑی دیر بعد سیسہ پگھلنے لگا۔ کیمیاگر نے اپنے تھیلے سے پیلا انڈا نکالا اور اس سے بال برابر چھلکا اتارا۔ اسے موم میں لپیٹ کر برتن میں ڈال دیا۔

مرکب لال رنگ اختیار کر گیا۔ خون سے مشابہ۔ کیمیاگر نے برتن چولہے سے اتارا اور ٹھنڈا ہونے کے لیے ایک جانب رکھ دیا۔ اس دوران وہ راہب کے ساتھ قبائلی جنگ پر گفتگو کرتا رہا۔

"میرا خیال ہے کہ یہ لڑائی طویل عرصے تک جاری رہے گی" کیمیاگر بولا۔ کیمیاگر پریشان تھا۔ تمام قافلے غزہ میں رکے ہوئے تھے اور جنگ کے ختم ہونے کا انتظار کر رہے تھے۔

"ہوا وہی ہے جو خدا کی منشا ہے۔" راہب نے جواب دیا۔

"بالکل!" کیمیاگر بولا۔

جب مرکب ٹھنڈا ہو چکا تو راہب اور لڑکے کی آنکھیں حیرت سے پھیل گئیں۔ سیسے نے برتن کی شکل اختیار کر لی تھی مگر اب وہ سیسہ نہیں تھا بلکہ سونے میں بدل چکا تھا۔

"کیا میں بھی کسی روز ایسا کر سکوں گا؟" لڑکے نے اشتیاق سے کیمیاگر سے سوال کیا۔

"یہ میری منزل تھی تمہاری نہیں ہے۔" کیمیاگر نے جواب دیا۔

"میں صرف تمہیں یہ دکھانا چاہتا تھا کہ ایسا ممکن ہے۔"

کیمیاگر نے سونے کے چار ٹکڑے کیے۔

"یہ آپ کے لیے ہے۔" اس نے ایک ٹکڑا راہب کی طرف بڑھاتے ہوئے کہا۔ "مسافروں کے لیے آپ کی مہربانی کا صلہ۔"





"لیکن یہ تو میرے لیے بہت زیادہ ہے۔" راہب نے جواب دیا۔

"دوبارہ ایسا کبھی مت کہیے گا۔ زندگی سن رہی ہے اور آئندہ کہیں آپ کو کم حصہ نہ مل جائے۔"

"یہ تمہارا حصہ ہے۔" کیمیاگر نے ایک ٹکڑا لڑکے کی طرف بڑھاتے ہوئے کہا۔

لڑکے نے بھی یہ کہنے کا ارادہ کیا کہ یہ اس کے لیے بہت زیادہ ہے لیکن وہ کیمیاگر کی بات سن چکا تھا اس لیے خاموش رہا۔

"اور یہ میرے لیے ہے۔ سفر کے لیے زادِ راہ۔"

اس نے سونے کا چوتھا ٹکڑا راہب کے حوالے کرتے ہوئے کہا۔

"یہ لڑکے کا حصہ ہے اگر اسے کبھی ضرورت پڑے تو"

"لیکن میں تو اپنے خزانے کی تلاش میں جا رہا ہوں۔" لڑکا بولا۔ "اور میں اس کے بہت قریب پہنچ چکا ہوں"

"مجھے یقین ہے کہ تم اس تک ضرور پہنچ جاؤ گے۔" کیمیاگر نے جواب دیا۔

"تو پھر یہ سونا کیوں؟"

"کیونکہ تم دو دفعہ اپنا سرمایہ کھو چکے ہو۔ ایک دفعہ ایک چور کے ہاتھوں اور دوسری دفعہ سردار کے ہاتھوں۔ میں ایک ضعیف العقیدہ عرب ہوں اور مجھے اپنی روایات پر اعتماد ہے۔ ایک روایت ہے کہ ہر وہ چیز جو ایک دفعہ واقع ہوتی ہے وہ دوبارہ نہیں ہو سکتی۔ لیکن اگر کوئی چیز دوبارہ واقع ہوتی ہے تو پھر وہ یقینا تیسری بار بھی ضرور ہوگی" دونوں گھوڑوں پر سوار ہو گئے۔

"میں تمہیں خوابوں کی ایک کہانی سنانا چاہتا ہوں" کیمیاگر بولا۔

لڑکا اپنا گھوڑا کیمیاگر کے قریب لے آیا۔

"قدیم روم میں شہنشاہ طبریس کے دور میں ایک نیک انسان تھا جس کے دو بیٹے تھے۔ ان میں سے ایک فوج میں ملازم تھا۔ فوجی کو ملک کے دور دراز علاقے میں تعینات کیا گیا تھا۔ جبکہ دوسرا بیٹا شاعر تھا جو اپنی خوب صورت شاعری سے پورے روم کو منور کرتا تھا۔

ایک رات اس آدمی نے ایک خواب دیکھا۔ ایک فرشتہ اس کے پاس آیا اور اسے بتایا کہ اس کے ایک بیٹے کے چرچے رہتی دنیا تک قائم رہیں گے۔ وہ آدمی جب خواب سے جاگا تو وہ بہت خوش تھا کہ قدرت اس پر مہربان ہے اور اسے اس بات سے آگاہ کیا تھا جس پر کسی بھی باپ کو فخر ہوتا ہے۔

کچھ عرصہ بعد وہ آدمی ایک بچے کو گاڑی کے نیچے آنے سے بچاتے ہوئے فوت ہو گیا۔ کیونکہ وہ نیک آدمی تھا اس لیے وہ سیدھا جنت میں گیا۔ وہاں اس کی ملاقات اس فرشتے سے ہوئی جس سے وہ خواب میں ملا تھا۔

"تم نے کیونکہ زندگی خدا کے بتائے ہوئے طریقوں پر گزاری ہے اس لیے میں تمہاری ایک خواہش پوری کر سکتا ہوں۔" فرشتے نے کہا۔

"میری زندگی بہت پرسکون تھی۔ جب تم میرے خواب میں آئے تو مجھے احساس ہوا کہ میری کوششوں کا اجر مجھے مل گیا تھا کیونکہ میرے بیٹے کی شاعری رہتی دنیا تک پڑھی جائے گی اور یہ کسی بھی باپ کے لیے فخر کا باعث ہے کہ اس کی اولاد اس کے لیے باعث عزت بنے۔ میں آنے والے وقت میں اس کا چرچا دیکھنا چاہتا ہوں۔"

فرشتے نے اس آدمی کے کندھے کو چھوا، اور دونوں آنے والے وقت میں پہنچ گئے۔ وہ ایسی جگہ پر موجود تھے جہاں لوگوں کا بے تحاشا ہجوم تھا۔ جو کسی عجیب زبان میں گفتگو کر رہے تھے۔ فرط جذبات سے آدمی کے آنسو نکل آئے۔

"مجھے معلوم تھا کہ میرے بیٹے کی شاعری لازوال ہے۔ کیا آپ مجھے بتا سکتے ہیں کہ میرے بیٹے کی کونسی نظم اس وقت پڑھی جا رہی ہے؟"

فرشتہ آدمی کے قریب آیا اور نرمی سے اسے ساتھ والی کرسی پر بٹھادیا اور بولا۔

"تمہارے بیٹے کی شاعری روم میں بہت مقبول تھی لیکن جو کس کے دور کے ساتھ ہی اس کی شاعری بھی معدوم ہو گئی۔ اس وقت آپ جو دیکھ رہے ہیں وہ آپ کے بیٹے کی شاعری نہیں بلکہ آپ کے اس بیٹے کا ذکر ہے جو فوج میں تھا۔"

آدمی نے حیرت سے فرشتے کی جانب دیکھا۔

"تمہارا بیٹا دور دراز کے علاقے میں تعینات تھا۔ وہ ایک دن اس علاقے کا سربراہ بنا دیا گیا۔ وہ بہت عابد اور نیک تھا۔ ایک دن اس کا ایک ملازم بیمار پڑ گیا۔ ایسا لگتا تھا کہ وہ مر جائے گا۔ تمہارے بیٹے نے ایک حکیم کا ذکر سن رکھا تھا۔ جو ہر بیماری کا علاج کرنے کی اہلیت رکھتا تھا۔ تمہارا بیٹا کئی دن کے سفر کے بعد حکیم کے پاس پہنچا۔ سفر کے دوران اسے معلوم ہوا کہ وہ حکیم خدا کا بیٹا ہے۔ اس کی ملاقات ان لوگوں سے ہوئی جو پہلے ہی حکیم کے ہاتھوں شفا پا چکے تھے۔ وہ رومن ہونے کے باوجود اس پر ایمان لے آیا۔ جب وہ حکیم کے پاس پہنچا تو اسے آنے کی غرض سے مطلع کیا۔ اس کی بات سن کر حکیم اس کے ساتھ جانے پر تیار ہو گیا۔ تمہارا بیٹا کیونکہ اہل ایمان تھا اس لیے اسے احساس تھا کہ وہ خدا کے سامنے موجود ہے۔"

"میں اس عنایت کے قابل نہیں کہ آپ میرے گھر تشریف لائیں۔ آپ صرف ایک پھونک ماریں تو میرا ملازم صحت یاب ہو جائے گا۔" اس نے کہا۔

اور یہی وہ الفاظ ہیں اس وقت یہاں دہرائے جا رہے ہیں۔

"ہر شخص کا اس دنیا میں مرکزی کردار ہے چاہے وہ کچھ بھی کرتا ہو۔" کیمیا گر نے لڑکے کو بتایا۔

لڑکا مسکرایا۔ اسے خیال ہی نہیں تھا کہ زندگی کا سوال کسی چرواہے کے لیے اتنا اہم بھی ہو سکتا ہے۔

"خدا حافظ!" کیمیا گر بولا۔

"خدا حافظ!" لڑکے نے جواب دیا۔





لڑکے نے کیمیا گر سے رخصت ہونے بعد اپنا سفر جاری رکھا۔ اس کی توجہ مسلسل اپنے دل کی آواز پر تھی۔ اس کا دل اسے بتانے والا تھا کہ اس کا خزانہ کہاں چھپا ہے۔

"جہاں تمہارا دل ہوگا وہیں تمہارا خزانہ ہوگا۔" کیمیا گر نے کہا تھا۔

لیکن اس کا دل اور باتوں میں مصروف تھا۔ وہ اسے فخر کے ساتھ اس چرواہے کی کہانی سنا رہا تھا جو اپنے ریوڑ کو چھوڑ کر اس خزانے کی تلاش میں نکل گیا تھا جو اس نے دو دفعہ خواب میں دیکھا تھا۔ اس نے منزل کا ذکر کیا اور پھر ان لوگوں کے بارے میں بتایا جو نئی منزلوں کی تلاش میں سمندر پار گئے تھے۔ وہ مہم جوئی کا ذکر کر رہا تھا، سفر کا اور کتابوں کا۔

لڑکے نے آہستہ آہستہ ٹیلے پر چڑھنا شروع کیا۔

چاند اپنی پوری آب و تاب کے ساتھ چمک رہا تھا۔ آج اسے نخلستان سے چلے ہوئے پورا ایک ماہ ہو گیا تھا۔ چاند کی روشنی جب ریت کے ٹیلوں پر پڑتی تھی تو طلاطم خیز سمندر کا تاثر ملتا تھا۔

جیسے ہی وہ ٹیلے کے اوپر پہنچا اس کا دل زور زور سے دھڑکنے لگا۔

چاند کی روشنی میں نہائے طلسماتی اہرام اس کی نظروں کے سامنے تھے۔

لڑکا اپنے قدموں پر گر گیا اور بے اختیار رونے لگا۔ اس نے خدا کا شکر ادا کیا جس نے اسے اپنے خواب پر نہ صرف یقین عطا کیا بلکہ اس خواب کی تعبیر حاصل کرنے میں اس کی راہنمائی بھی کی۔ پھر اس کی ملاقات ایک بادشاہ سے ہوئی۔ پھر وہ تاجر سے ملا۔ انگریز سے اور کیمیا گر سے۔ اور سب سے بڑھ کر فاطمہ سے.... جس نے اسے بتایا کہ محبت کبھی انسان کو اپنی منزل کی تلاش سے نہیں روکتی۔

اگر وہ چاہتا تو واپس نخلستان میں جا سکتا تھا، فاطمہ کے پاس! اور اپنی باقی زندگی ایک چرواہے کی طرح گزار دیتا۔ آخر کیمیا گر بھی اپنی منزل پا لینے کے باوجود نخلستان میں رہ رہا تھا۔ اسے اس بات سے کوئی غرض نہیں تھی کہ وہ اپنے کمالات دنیا کو دکھائے۔

اس کو احساس تھا کہ اپنی منزل کی تلاش کے دوران اس نے وہ سب کچھ سیکھا جس کو سیکھنے کی اسے تمنا تھی۔ اور ہر اس تجربے سے گزرا تھا جس کا کہ وہ خواب دیکھ سکتا تھا۔

اور اب وہ اپنے خزانے کے قریب تھا۔ اسے خیال آیا کہ کوئی بھی کام اس وقت تک مکمل نہیں ہوتا جب تک اس کے مقاصد حاصل نہ ہو جائیں۔ اس نے اپنے اردگرد ریت پر نظر ڈالی تا کہ دیکھ سکے کہ اس کے آنسو کہاں گرے تھے۔ اس کی نظر اس کے آنسو پر پڑی۔ اس کو معلوم تھا کہ مصر میں آنسو خدا کی علامت سمجھے جاتے ہیں۔ "ایک اور نیک شگون" اس نے سوچا۔
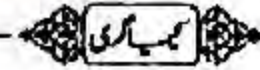
اس نے اس جگہ پر ریت کھودنا شروع کر دی جہاں اس کے آنسو گرے تھے۔ ریت کھودتے ہوئے اسے خیال آیا کہ کرسٹل فروش نے کہا تھا کہ اہرام صرف پتھروں کا ایسا ڈھیر ہے جسے کوئی بھی اپنے صحن میں بنا سکتا ہے۔

"میں تو اس طرح کے اہرام اپنے صحن میں نہیں بنا سکتا تھا چاہے میں پوری زندگی پتھر جمع کرتا رہتا۔" اس نے اپنے آپ سے کہا۔

تمام رات وہ کھدائی کرتا رہا۔ لیکن اسے کچھ بھی نہیں ملا۔ لیکن اس نے کھدائی جاری رکھی۔ اس کے ہاتھ شل ہو چکے تھے اور اس کی انگلیاں چھل گئی تھیں۔ لیکن اس کی توجہ اس کے دل کی آواز پر تھی جو اس سے کہہ رہا تھا کہ وہ اس جگہ پر کھدائی جاری رکھے جہاں اس کے آنسو گرے تھے۔

جیسے ہی اس نے گڑھے میں سے پتھر نکالنا شروع کیے اسے قدموں کی آہٹ سنائی دی۔ پھر اس نے کئی ہیولے دیکھے۔ ان کی پیٹھ چاند کی طرف ہونے کی وجہ سے وہ ان کے چہرے اور ان کی آنکھیں دیکھنے سے قاصر تھا۔

"تم یہاں کیا کر رہے ہو؟" ایک ہیولا بولا۔

خوف کے مارے اس کے منہ سے کوئی جواب نہیں نکلا۔ اس نے وہ جگہ تلاش کر لی تھی جہاں اس کا خزانہ دفن تھا اور اب اسے خوف تھا کہ کچھ ہو نہ جائے۔

"ہم لڑائی کے علاقے سے ہجرت کر کے آئے ہیں اور ہمیں رقم کی ضرورت ہے" دوسرا ہیولا بولا۔

"تم یہاں کیا چھپا رہے ہو؟"

"میں کچھ نہیں چھپا رہا۔" لڑکے نے جواب دیا۔

ایک ہیولے نے اسے کالر سے پکڑ کر گڑھے سے نکالا اور اس کی تلاشی لینے لگا۔ دوسرا ہیولا اس کے بیگ کی تلاشی لے رہا تھا اس کے ہاتھ میں سونے کا ٹکڑا آ گیا۔

"یہ سونا ہے۔" وہ بولا۔

چاند اس آدمی کے چہرے کو منور کر رہا تھا جس نے لڑکے کو پکڑا تھا۔ اس کی آنکھوں میں موت تھی۔

"شائد اس نے اور بھی سونا ریت میں دفن کر رکھا ہے۔"

انہوں نے لڑکے کو زمین کھودنے کا حکم دیا۔ لیکن انہیں کچھ نہیں ملا۔

جیسے ہی سورج طلوع ہوا ایک آدمی نے لڑکے پر تشدد کرنا شروع کر دیا۔ اس کے زخموں سے خون نکل رہا تھا۔ اور کپڑے پھٹ چکے تھے۔ اب اسے موت نزدیک نظر آ رہی تھی۔

"اس دولت کا کیا فائدہ جو تمہیں موت سے نہ بچا سکے۔" اس کے کانوں میں کیمیا گر کے الفاظ گونجے۔

آخر کار اس نے آدمی کو بتایا کہ وہ خزانے کی تلاش میں کھدائی کر رہا تھا۔ اگرچہ اس کے ہونٹ پھٹ چکے تھے لیکن اس نے تمام کہانی حملہ آوروں کو سنائی کہ وہ کس طرح سے اہرام تک پہنچا تھا۔
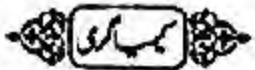




ایک عرب نے جوان کا سردار دکھائی دیتا تھا اس آدمی کو حکم دیا جس نے لڑکے کو پکڑ رکھا تھا کہ اسے چھوڑ دے۔ لڑکا بے ہوشی کے عالم میں ریت پر گر گیا۔

"ہم جا رہے ہیں تم مر نہیں سکتے تم زندہ رہو گے تاکہ یہ جان سکو کہ آدمی کو اتنا احمق نہیں ہونا چاہیے کہ خواب کی تعبیر میں پاگلوں کی طرح مارا مارا پھرے۔"

"دو سال قبل ٹھیک اسی جگہ میں نے کئی بار خواب دیکھا تھا۔ مجھے نظر آیا کہ مجھے سپین کی طرف سفر کرنا چاہیے جہاں ایک متروک چرچ میں ایک چرواہا اور اس کا ریوڑ زیر قیام ہیں۔ اس چرچ میں انجیر ایک بہت بڑا کا درخت ہے۔ مجھے کسی کی آواز سنائی دی کہ اگر میں اس انجیر کے درخت کی جڑوں میں کھدائی کروں تو مجھے ایک خزانہ ملے گا۔ لیکن میں اتنا احمق نہیں ہوں کہ صحرا کو صرف اس لیے پار کروں کہ مجھے ایک خواب نظر آیا تھا۔"

اس کے ساتھ ہی حملہ آور غائب ہو گئے۔

لڑکا لڑکھڑاتے ہوئے قدموں سے اٹھ کر کھڑا ہو گیا اور ایک بار پھر اہرام پر نظر دوڑائی۔ ایسے لگتا تھا جیسے وہ اس پر ہنس رہے ہوں۔ وہ بھی جواباً ہنسنے لگا اس کا دل خوشی سے اچھل رہا تھا۔

کیونکہ اب اسے معلوم ہو گیا تھا کہ اس کا خزانہ کہاں ہے۔

---

لڑکا شام پڑنے سے قبل ہی متروک چرچ کے پاس پہنچ گیا۔ انجیر کا درخت ابھی تک اپنی جگہ پر قائم تھا اور چرچ کی ٹوٹی ہوئی چھت سے ستارے نظر آ رہے تھے۔ اسے وہ وقت یاد آ گیا جب وہ اس چرچ میں اپنی بھیڑوں کے ساتھ آیا تھا۔ اس کی وہ رات بہت پر سکون تھی سوائے اس خواب کے۔

اب دوبارہ وہ اسی جگہ موجود تھا مگر اب کی بار بھیڑوں کی بجائے بیلچے کے ساتھ۔

وہ کافی دیر تک بیٹھا آسمان کو دیکھتا رہا۔ پھر اس نے اپنے تھیلے سے پانی کی بوتل نکالی اور چھوٹے چھوٹے گھونٹ بھرنے لگا۔ اس نے اس رات کو یاد کیا جب وہ صحرا میں کیمیا گر کے ساتھ بیٹھا ہوا تھا۔ پھر اسے وہ تمام راستے یاد آئے جن سے وہ گزرا تھا اور وہ عجیب طریقہ جس کے ذریعے خدا نے اسے اس خزانے تک پہنچایا تھا۔

اگر وہ بار بار آنے والے خواب پر یقین نہ کرتا تو اس کی ملاقات خانہ بدوش عورت سے نہ ہوتی، نہ ہی بوڑھے بادشاہ سے..... اور یہ فہرست بہت طویل تھی۔

"یہ راستہ تو نشانیوں سے پر تھا اور کوئی وجہ ہی نہیں تھی کہ میں غلطی کرتا"۔ سوچتے سوچتے اسے نیند آ گئی جب وہ جاگا تو

سورج کافی نکل چکا تھا۔اس نے کھدائی شروع کر دی۔

"تم نے عملاً آور عرب کو بھی بتایا تھا" لڑکا سورج سے مخاطب تھا۔

"تمہیں تمام ماجرہ معلوم تھا۔تم نے سونے کا ایک ٹکڑا خانقاہ میں بھی چھوڑا تھا تا کہ میں واپسی کا سفر مکمل کر سکوں۔راہب میرے اوپر ہنس رہا تھا جب اس نے مجھے واپس آتے ہوئے دیکھا۔کیا تم مجھے اس تمام مشقت سے بچا نہیں سکتے تھے؟"

"نہیں" اس نے ہوا کی آواز سنی۔

"اگر میں ایسا کرتا تو تم اہرام دیکھنے سے محروم رہتے۔وہ بہت خوبصورت ہیں نا"

لڑکا مسکرانے لگا۔اس نے کھدائی جاری رکھی۔

آدھے گھنٹے بعد اس کا بیلچہ کسی سخت چیز سے ٹکرایا۔ایک گھنٹے بعد اس کے سامنے ہسپانوی سونے کے سکوں سے بھرا ایک صندوق پڑا تھا۔اس میں قیمتی پتھر اور پتھر کے مجسمے پڑے تھے جن میں ہیرے جڑے ہوئے تھے۔

یہ ایک جنگ کا مال غنیمت تھا جسے لوگ کافی عرصے سے بھلا چکے تھے۔

لڑکے نے یوریم اور تھومیم نکالے۔اس نے ان پتھروں کو صرف ایک دفعہ مارکیٹ میں استعمال کیا تھا۔اس کے بعد تو اس کی جدوجہد کا تمام راستہ نشانیوں سے بھرا ہوا تھا۔

اس نے دونوں پتھر صندوق میں رکھ دیے۔یہ بھی اس کے خزانے کا حصہ تھے کیونکہ یہ بوڑھے بادشاہ کی یادگار تھے جسے وہ دوبارہ شائد کبھی نہیں مل سکے گا۔

یہ درست ہے کہ زندگی ہمیشہ ان پر مہربان ہوتی ہے جو اپنی منزل تلاش میں سرگرداں ہوتے ہیں۔

اسے یاد آیا کہ اس نے طرفہ جانا تھا تا کہ خانہ بدوش بوڑھی عورت کو خزانے کا دسواں حصہ دے سکے۔

"خانہ بدوش واقعی تیز ہوتے ہیں۔" اس نے سوچا۔

"شاید اس لیے کہ وہ پوری دنیا گھومتے ہیں۔"

ہوا دوبارہ چلنا شروع ہو گئی۔یہ لیوانتر تھی جو افریقہ کے صحراؤں سے آئی تھی۔اس کے ساتھ صحرا کی بو نہیں تھی اور نہ ہی عرب فاتحین کی یلغار تھی بلکہ اس میں ایک خوشبو کی مہک تھی۔

اس مہک سے وہ اچھی طرح واقف تھا۔لڑکا مسکرا دیا۔

"میں آرہا ہوں فاطمہ"





# آپ نے اس کتاب سے کتنا استفادہ کیا ہے؟

کیا آپ نے اس کتاب سے کوئی مثبت سبق سیکھا جس سے آپ اپنی عملی زندگی میں استفادہ کر سکیں؟۔

اس سوال نامے کی فوٹو کاپی کروا کر (اس کو کتاب سے الگ مت کریں تا کہ دوسرے قارئین بھی اس سے مستفید ہو سکیں) تھوڑا سا وقت نکال کر اس سوال نامے کو مکمل کریں تا کہ آپ جان سکیں کہ آپ اس کتاب سے کس حد تک مستفید ہوئے۔

☆ آپ کے خیال میں پاؤلو اس کتاب کے ذریعے کوئی پیغام دینا چاہتا ہے یا یہ محض ایک کہانی ہے؟

□ یہ محض ایک کہانی ہے جس کا حقیقت سے کوئی واسطہ نہیں۔

□ پاؤلو کا نقطہ نظر اہمیت کا حامل ہے۔

□ شائد میں یقین سے نہیں کہہ سکتا۔

☆ کیا آپ پاؤلو کے نقطہ نظر سے اتفاق کرتے ہیں کہ انسان اور جانور کے درمیان فرق مقصد کا تعین اور اس کے حصول کی لگن ہے؟

□ ہاں □ نہیں □ شائد

☆ مقصد کے حصول کی لگن کامیابی کی بنیادی شرط ہے؟

□ ہاں □ صرف لگن ہی کامیابی کے لیے کافی نہیں ہے □ شائد

☆ مقصد کے حصول کی لگن انسان کو اس کے حصول کے لیے درکار قابلیت حاصل کرنے کی راہ دکھاتی ہے؟۔

□ ہاں لگن انسان کو مقصد کے حصول کی راہ اور اس کی راہ میں حائل رکاوٹوں کا مقابلہ کرنے کی ہمت دیتی ہے۔

□ نہیں ایسے لوگ خوابوں کی دنیا میں رہنے والے ہوتے ہیں

☆ اکثر لوگ زندگی میں کوئی مقصد تو رکھتے ہیں مگر وہ اس کے حصول میں کبھی کامیاب نہیں ہو پاتے آپ کے خیال میں اس کی کیا وجہ ہے؟

□ ہمارے معاشرے میں مواقع کم ہیں۔

□ ان میں مقصد کے حصول کی لگن نہیں ہوتی۔

□ شائد ان کی قسمت میں ایسا نہیں لکھا تھا۔
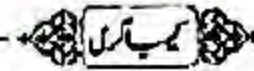
☆ مقصد اور خیالی پلاؤ میں کیا فرق ہے؟

□ مقصد انسان کو اس کے حصول کے لیے تڑپ پیدا کرتا ہے جبکہ خیالی پلاؤ پکانے والا خوابوں کی دنیا میں زندہ رہتا ہے اور اس کے حصول کے لیے محنت نہیں کرتا۔

□ دونوں میں کوئی فرق نہیں۔

☆ مقصد کے حصول میں محنت اور قسمت کا کتنا عمل دخل ہے؟

□ قسمت اس کا ساتھ دیتی ہے جو محنت کرتا ہے۔

□ انسان کو صرف وہی ملتا ہے جو اس کے مقدر میں لکھا ہے۔

☆ اکثر اوقات انسان کوشش کے باوجود اپنا مقصد حاصل نہیں کر پاتا آپ کے خیال میں اس کی کیا وجہ ہے؟

□ انسان اس کے حصول کے لیے درکار محنت کرنے میں ناکام رہتا ہے۔

□ اس کی قسمت میں کامیابی نہیں ہوتی۔

☆ قسمت بھی ان کا ساتھ دیتی ہے جو باعزم ہیں اور محنت سے کام کرتے ہیں۔

□ یقیناً □ نہیں جو انسان کے مقدر میں لکھا ہو وہ مل کر رہتا ہے۔

☆ کیا انسان اپنی پیش بندی سے اپنے مستقبل میں آنے والے واقعات کو تبدیل کر سکتا ہے؟

□ ہاں بالکل کر سکتا ہے۔

□ نہیں جو خدا نے انسان کے مقدر میں لکھ دیا ہے انسان اس کو نہیں بدل سکتا

□ محنت اور دعا برے وقت کو ٹال سکتی ہے۔

☆ کیا دنیا میں ایسا کوئی علم ہے جس سے انسان آنے والے واقعات کو قبل از وقت جان لے؟

□ ہاں □ نہیں غیب کا علم صرف اللہ کے پاس ہے۔

☆ ہمارے معاشرے میں غربت اور بے روزگاری کی بنیادی وجہ آپ کے خیال میں کیا ہے؟

□ محنت سے جی چرانا □ ہمارے معاشرے میں مواقع کا بہت کم ہونا

□ لوگوں کو ان کی محنت کا صلہ نہ ملنا

☆ انسان کی زندگی کا مقصد کیا ہونا چاہیے؟

□ دولت کا حصول تاکہ پرسکون زندگی گزار سکے۔ □ آخرت کی کامیابی ہر ایک انسان کا اصل مقصد ہونا چاہیے۔

☆ اکثر لوگوں کی زندگی کا کوئی مقصد نہ ہونے کی کیا وجہ ہے؟

□ ناکامی کا خوف □ مقصد کی صداقت پر متزلزل اعتقاد

□ مقصد کے حصول کے لیے درکار محنت سے گھبرانا

□ رسک لینے سے ڈرنا
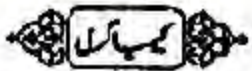




□ اپنی موجودہ حالت کو قسمت کا لکھا سمجھ کر اپنے دل کو مطمئن کرنے کی کوشش کرنا

□ واضح مقصدِ زندگی کا شعور نہ ہونا

□ مندرجہ بالا تمام وجوہات درست ہیں۔

□ تمام وجوہات غلط ہیں

☆ مصنف نے جو واقعات اس کہانی میں بتائے ہیں کیا وہ حقیقت میں ممکن ہیں؟ یعنی یہ کہ انسان اگر محنت کرے تو جو چاہے حاصل کر سکتا ہے؟

□ یقیناً کیونکہ قسمت بھی ان کا ساتھ دیتی ہے جو کوشش کرتے ہیں۔

□ نہیں! انسان کے مقدر میں جو لکھا ہو وہ مل کر رہتا ہے

☆ لڑکے نے سپین سے مصر تک کا سفر کرنے کے لیے صحرا عبور کیا اور راستے میں آنے والی کئی مشکلات کا سامنا بھی کیا جب کہ خزانہ اسی جگہ موجود تھا جہاں سے اس نے سفر کا آغاز کیا۔ کیا اس لڑکے نے نشانیوں کو سمجھنے میں غلطی نہیں کی؟

□ نہیں قدرت نے خزانہ حاصل کرنے کے لیے یہی راستہ رکھا تھا تاکہ وہ بہت کچھ سیکھ سکے۔

□ ہاں اس نے غلطی کی۔

☆ مصنف کے مطابق اللہ نے جو ہمارے نصیب میں لکھا ہے اس کے لیے محنت کو شرط قرار دیا ہے۔ اور اس کے نشان ہماری زندگی میں رکھ دیے ہیں اگر ہم ان نشانات کو پہچانیں تو ہم اپنی منزل تک پہنچ سکتے ہیں۔ کیا آپ مصنف کی اس بات سے اتفاق کرتے ہیں۔

□ یقیناً کیونکہ قسمت بھی ان کا ساتھ دیتی ہے جو کوشش کرتے ہیں۔

□ نہیں یہ بالکل افسانوی بات ہے جس کا حقیقت سے کوئی واسطہ نہیں۔

☆ اگر ہم اپنا مقصد حاصل کرنے میں ناکام بھی رہیں تو بھی اس کو ناکامی نہیں کہنا چاہیے کیونکہ اس دوران ہم اور بہت کچھ سیکھتے ہیں جو شائد قدرت ہمیں اس لیے سکھانا چاہتی ہیں کہ یہ ہماری آئندہ زندگی میں کام آئے گا۔ کیا آپ مصنف کی اس بات سے اتفاق کرتے ہیں۔؟

□ بالکل کیونکہ جو چیز بغیر محنت کے حاصل کی جائے انسان اس کی قدر نہیں کرتا۔ اور کوشش کے دوران جو صلاحیت انسان کو حاصل ہوتی ہے وہ اس کا اصل سرمایہ ہے۔

□ نہیں ایسے لوگ خوابوں کی دنیا میں رہنے والے ہوتے ہیں۔

☆ کامیابی سے قبل قسمت انسان کا امتحان لیتی ہے۔ اور جو حوصلہ ہار دے وہ ناکام رہتا ہے۔ کیا آپ کے خیال میں یہ بات درست ہے؟

□ ہاں مقصد کا حصول محض ایک وقتی کامیابی ہے۔ اس جدوجہد کے دوران انسان جو سیکھتا ہے وہ آئندہ زندگی میں اس کے کام آتا ہے۔

□ نہیں

☆ انسان جب کسی کام کا آغاز کرتا ہے یا کوئی نئی چیز سیکھنا چاہتا ہے تو ابتدا میں وہ کام بہت مشکل نظر آتا ہے، لیکن جب وہ اس کام کو انجام ہوتے دیکھتا ہے تو اسے احساس ہوتا ہے کہ یہ کام کتنا آسان تھا۔ جب اسے افسوس ہوتا ہے کہ اس نے اس کام کو کرنے میں اتنی دیر کیوں لگائی۔ کیا آپ اس بات سے اتفاق کرتے ہیں اور آپ کو کبھی ایسا تجربہ ہوا ہے؟

□ ہاں □ نہیں □ یقین سے نہیں کہہ سکتا۔

☆ انسان اکثر کوئی نیا کام کرنے سے ہچکچاتا ہے کیونکہ اس نے اس سے قبل وہ کام نہیں کیا ہوتا۔ ہر کام کو انسان زندگی میں کبھی نہ کبھی پہلی مرتبہ کرتا ہے اس لیے انسان کو کوئی بھی کام کرنے سے گھبرانا نہیں چاہیے؟

□ ہاں □ نہیں، ہر کام کے لیے مہارت کی ضرورت ہوتی ہے۔

☆ مصنف نے اس کتاب میں بہت سے استعارے استعمال کیے ہیں، جیسے وہ ان انسانوں کو جن کی زندگی کا کوئی مقصد ہوتا ہے چرواہے سے تشبیہ دیتا ہے جبکہ ان لوگوں کو جن کی زندگی کا کوئی مقصد نہیں ہوتا ان کو بھیڑوں سے۔ آپ کے خیال میں بوڑھا بادشاہ کس چیز کی تشبیہ ہے؟

□

☆ جس طرح صحرا میں سفر کرنے والے قافلے کسی رکاوٹ کو عبور کرنے کے لیے وقتی طور پر اپنا راستہ تبدیل کر لیتے ہیں، لیکن اس رکاوٹ کو عبور کرنے کے بعد دوبارہ قافلے کا رخ اپنی منزل کی طرف ہو جاتا ہے۔ بالکل اسی طرح اگر انسان وقتی طور پر کسی مشکل کی وجہ سے اپنا مقصد حاصل کرنے میں ناکام رہے تو ناامید ہونے کی بجائے اسے چاہیے کہ مشکل پر قابو پانے کے بعد دوبارہ نئے عزم کے ساتھ اپنی منزل کی طرف سفر کا آغاز کرے۔ آپ کا کیا خیال ہے۔

□ ہاں انسان کی توجہ مشکلات کی بجائے ہر لمحہ اپنی منزل پر رہنی چاہیے۔

□ نہیں مقصد کے حصول میں فضول وقت ضائع نہیں کرنا چاہیے۔

☆ مصنف کے بقول جو لوگ مطمئن ہوتے ہیں ان کے دل میں اللہ رہتا ہے۔ قرآن میں بھی اللہ کا فرمان ہے "الا بذکر اللہ تطمئن القلوب" یہاں اللہ کے ذکر سے کیا مراد ہے؟

□ محض زبان سے اللہ کا ذکر

□ ہر وقت اس بات کا احساس کہ اللہ انسان کے ساتھ ہے اور ہر کام میں اس بات کا خیال رکھنا کہ اللہ کا اس کام کے بارے میں کیا حکم ہے۔ اور اس کام کو کرنے کا درست طریقہ کیا ہے، جس سے وہ خوش ہوگا۔

☆ کچھ لوگوں کے مقاصد تو ہوتے ہیں مگر وہ سوچتے ہیں کہ پہلے یہ کام کر لیں پھر یہ کریں گے اور کام میں اس طرح الجھ جاتے ہیں کہ اپنے مقصد کا حصول بھول جاتے ہیں اور جب یاد آتا ہے تو بہت دیر ہو چکی ہوتی ہے، تو پھر انسان کا رویہ کیسا ہونا چاہیے؟

□ انسان ہر وقت اس قابل ہوتا ہے کہ وہ کام کرے جس کو کرنے کا ارادہ رکھتا ہے۔

□ جب بھی انسان کو فرصت ملے مقصد کے حصول کے لیے جدوجہد کرے۔





☆ مقصد کے تعین اور اس کے حصول کی راہ میں ایک رکاوٹ کامیابی اور ناکامی کے بارے میں ہمارے غلط معیار بھی ہیں؟

□ جی ہاں یہ درست ہے

□ نہیں ایسا نہیں ہے

"چند دہائیوں بعد ایک ایسی کتاب شائع ہوتی ہے جو پڑھنے والوں کی زندگیاں یکسر بدل کر رکھ دیتی ہے۔ الکیمسٹ ایک ایسی ہی کتاب ہے۔"

دی ایکسپریس

اس کتاب کی بے پناہ مقبولیت کی وجہ وہ پیغام ہے جو مصنف بالخصوص نوجوان نسل کو دینا چاہتا ہے۔ پاولو کے نزدیک انسان اور جانور میں صرف ایک فرق ہے۔ انسان کی زندگی کا کوئی واضح مقصد ہوتا ہے جبکہ جانور کو صرف چارے اور پانی سے غرض ہوتی ہے۔ اس کتاب کی خوبی یہ ہے کہ قاری کو تذبذب کی کیفیت سے نکال کر عمل کی راہ پر گامزن کرتی ہے، خواب بننے کا شوق اور ان کو حاصل کرنے کی تڑپ اور حوصلہ دیتی ہے۔

آپ اس تحریر کی جانداری دیکھئے کہ آپ ایک کہانی کے سحر میں بھی رہتے ہیں اور گزرے وقت کے زخم کی داستان بھی سنتے جاتے ہیں۔ یہی تو وہ سحر ہے، وہ جادو ہے جو میری آنے والی نسل کو زندہ رکھے گا، ماضی سے پیوستہ رکھے گا اور مستقبل کے خواب بننے کی خواہش پیدا کرے گا۔

اوریا مقبول جان

یہ انسانی فکر، خواہش، جوش، ہمت اور نیرنگیٔ زمانہ کی ایک عجیب وغریب اور انتہائی دلچسپ داستان ہے اور زیرِ نظر ترجمے میں بیان کو آسان اور مؤثر بنانے کی کامیاب کوشش کی گئی ہے جو یقیناً قارئین کو اپنی طرف متوجہ کرے گی۔ اس کا اصل مقصد نئی نسل کو وہ اہم پیغام دینا ہے جو زندگی کی حقیقت سے انہیں روشناس کرواتا ہے اور مقصد کی اہمیت، اس کے حصول کی لگن اور اس کے لیے قربانی دینے کی ہمت پیدا کرتا ہے۔

امجد اسلام امجد

عمر الغزالی پیشے کے لحاظ سے ٹرینر ہیں۔ تربیت اساتذہ اور بچوں کی تربیت ان کے خاص موضوعات ہیں۔ عمر الغزالی، قومی تعمیر میں اساتذہ کے کردار اور بچوں کی اخلاقی تربیت پر باقاعدگی سے لکھتے ہیں۔ تراجم کے علاوہ کئی موضوعات پر ان کی اپنی تحریریں بھی شائع ہو چکی ہیں۔ ان کے مستقل کالم بھی شائع ہوتے ہیں۔ ان کی زیرِ طباعت کتب میں "Secret of Success" "انسان کے عمل کے نتائج میں اس کی سوچ کے کردار کو بہت خوبصورتی سے واضح کرتی ہے۔ عمر الغزالی تحریر و تقریر کو بطور پیشہ اپنانے سے قبل فوج میں خدمات انجام دے چکے ہیں جہاں سے انہوں نے اسی مقصد کے تحت فراغت حاصل کی۔ مصنف تربیت اساتذہ کے علاوہ Communication Skills، Teacher Leadership اور Law of Attraction پر خصوصی مہارت رکھتے ہیں۔

عمر الغزالی مترجم کا قلمی نام ہے۔


سینٹر فار ہیومن ایکسیلینس

دوسری منزل، کانفرنس سنٹر، ایوان اقبال کمپلیکس، لاہور

فون نمبر: 36315350-042-92+، ای میل: chelahore@yahoo.com، ویب سائٹ: www.che.org.pk